جزیہ کا اسلامی تصور اور اس پر اعتراضات

(تجزیاتی مطالعہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد سلیمان

نگران مقالہ

ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی

صدر شعبہ عربی نمل

معاون نگران مقالہ

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی

لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ نمل

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۱۹ء

جزیہ کا اسلامی تصور اور اس پر اعتراضات

(تجزیاتی مطالعہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (علومِ اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد سلیمان

نگران مقالہ

ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی

صدر شعبہ عربی نمل

معاون نگران مقالہ

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی

لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ نمل

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۱۹ء

© محمد سلیمان

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہے اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **جزیہ کا اسلامی تصور اور اس پر اعتراضات کا تجزیاتی مطالعہ**

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: محمد سلیمان

رجسٹریشن نمبر: MP-IS-AS16-ID025

ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی ________________________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی ________________________

(معاون نگران مقالہ) دستخط معاون نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی ________________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

بریگیڈیئر محمد ابراہیم ________________________

(ڈائریکٹر جنرل) دستخط ڈائریکٹر جنرل

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

میں **محمد سلیمان** ولد **عبدالسلام**

رجسٹریشن نمبر: **MP-IS-AS16-ID025**

طالب علم، ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **جزیہ کا اسلامی تصور اور اس پر اعتراضات کا تجزیاتی مطالعہ**

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: **محمد سلیمان**

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	مقالہ کی منظوری کا فارم	I
۲۔	حلف نامہ	II
۳۔	فہرست ابواب	III
۴۔	انتساب	V
۵۔	اظہار تشکر	VI
۶۔	ABSTRACT	VII
۷۔	مقدمہ	VIII
۸۔	**باب اول: جزیہ کا مفہوم، تاریخ اور صورتیں**	**۱**
۹۔	فصل اول: جزیہ کا معنی و مفہوم اور اہمیت	۲
۱۰۔	فصل دوم: قبل از اسلام جزیہ کا تاریخی پس منظر	۱۷
۱۱۔	فصل سوم: خیر القرون میں جزیہ کی صورتیں	۲۵
۱۲۔	**باب دوم: جزیہ کی شرائط، احکام و اسباب**	**۴۰**
۱۳۔	فصل اول: شرائط و حکمتیں	۴۱
۱۴۔	فصل دوم: جزیہ کے وجوبی اسباب	۵۴
۱۵۔	فصل سوم: جزیہ کے احکام	۶۸
۱۶۔	**باب سوم: جزیہ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ**	**۸۳**
۱۷۔	فصل اول: جزیہ پر مستشرقین کے اعتراضات	۸۴
۱۸۔	فصل دوم: مستشرقین کے مقاصد	۹۲
۱۹۔	فصل سوم: اعتراضات کے جوابات (مفکرین کی آراء کی روشنی میں)	۹۸
۲۰۔	**باب چہارم: مسلم ممالک میں جزیہ کی تنفیذ اور عصر حاضر**	**۱۱۱**
۲۱۔	فصل اول: مسلم ممالک میں جزیہ کے تنفیذی اصول	۱۱۲

۲۲۔	فصل دوم: پاکستان میں جزیہ کی تنفیذی صورتیں	۱۱۹
۲۳۔	فصل سوم: نفاذِ جزیہ کے فوائد و ثمرات اور عصرِ حاضر	۱۲۶
۲۴۔	خلاصہ بحث	۱۳۷
۲۵۔	نتائج	۱۳۸
۲۶۔	سفارشات	۱۴۰
۲۷۔	**فہارس**	**۱۴۱**
۲۸۔	فہرست آیات	۱۴۲
۲۹۔	فہرست احادیث	۱۴۴
۳۰۔	فہرست اعلام	۱۴۵
۳۱۔	فہرست اماکن	۱۴۶
۳۲۔	فہرست مصادر و مراجع	۱۴۷

انتساب

اللہ تعالیٰ کے کروڑ بار شکر کے بعد

میں اپنی کاوش کو اپنے محترم و مکرم والدین کے نام کرتا

ہوں۔

﴿رَّبِّ ٱرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِى صَغِيرًا﴾

اظہارِ تشکر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وآله وسلم وصحبه أجمين.

«مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ»[1]

جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

تمام تعریفیں صرف اور صرف اس واحد ذات اور معبود حقیقی کے لیے ہیں جس نے اپنی بے پایاں رحمتوں اور نوازشوں سے مجھے دین کی نعمت (سمجھ) عطا کرنے کا موقع فراہم کیا اور ہزاروں درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر جن کی محبت مسلمان کا فخر ہے اس کے بعد سب سے پہلے شکر گزار ہوں اپنے والدین کا جنہوں نے مجھے علوم اسلامیہ کی تدریس کی طرف مائل کیا اور ان کی وجہ سے مجھے دین اسلام کو نہ صرف سمجھنے اور اپنی عملی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کا موقع ملا اور اپنے اس جذبے کے تحت میں نے نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد میں ایم۔ فل علوم اسلامیہ کی تکمیل کے لیے داخلہ لیا جہاں قابل اور مشفق اساتذہ کرام ملے۔ جنہوں نے میرے تعلیمی سفر میں مدد کی اور مسلسل راہنمائی سے سرفراز کیا۔

میں صدر شعبہ ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری حفظہ اللہ کا شکر گزار ہوں جن کے توسط سے اس یونیورسٹی میں ہمارا شعبہ علوم اسلامیہ روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نگران مقالہ صدر شعبہ عربی ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی حفظہ اللہ اور معاون نگران مقالہ ڈاکٹر سید شاہد ترمذی حفظہ اللہ، لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے تحقیق کے متعلق ہدایات دے کر تمام مراحل کی تکمیل میں راہنمائی فرمائی۔ میں ممنون ہوں ان تمام لائبریریوں کے عملے کا جنہوں نے تحقیق کے سلسلے میں میری مدد کی اور بھرپور تعاون کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں، بہنوں اور والدین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کٹھن سفر میں میرا ساتھ دیا اور ہمت دی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ میری اس ادنی سی کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

محمد سلیمان

طالب علم۔ ایم فل علومِ اسلامیہ

۱۔ ترمذی، محمد بن عیسی، سنن ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الشکر لمن احسن الیک، رقم الحدیث: ۱۹۵۵، دارالمعرفۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۷۵ء

ABSTRACT

Allah has revealed the religion of Islam to guide the mankind so that people can go on the right path. Allah sends many prophets for the guidance of mankind and the last Allah send Holy prophed Muhammad (ﷺ) The purpose of to send Holy prophet Muhammad (ﷺ) that Islam should declared the supreme religion and Islam should prevail over other religions of the world. The invitation of worship and preach of Islam was peaceful but the opposing forces took the path of violence and aggression which the Muslims were allowed to kill in response rebellious forces where subjected. When the opposing forces are willing to abandon their rebellion and become Muslims, accepted as the responcibilities of the Islamic State. So then they were deserve all the basic rights and in the ordinary course instead, of life they get equal right status of Muslim concession.

JIZYA is also pre inventions of Islam which exist already but Islam maintained only this. Partially taken from non-Muslims according to their ability, from women, children, the elders, the monks etc. And all are exempt from the payment becoming a Muslim. This nominal tax were charged only to make difference Muslims and non-Muslims. If the jurist thinks that this tax would charge for the humiliation of the insult of non-Muslims that is his pervsonla views which does not link with Islamic Concept of JIZYA.

It is also misconception that non-Muslims are not allowed express their rights, opinions in Islamic State rather they are allowed to do under the Islamic Laws. But no one is allowed to humiliate each other and freedom of speech is allowed under ethics. And any person is not allowed to defame Islam and make propaganda agains Islam or against its Pillars.

مقدمہ

تعارفِ موضوع:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو لمحہ بہ لمحہ راہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں رہائش پذیر غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے؟ اور ان کے ذمے کیا چیز ادا کرنا ضروری ہے؟

اہمیتِ موضوع:

اللہ رب العالمین نے بنی آدم کو بڑی فضیلت سے نوازا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾[1]

"یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی"۔

پھر ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿أَيَحْسَبُ ٱلْإِنسَٰنُ أَن يُتْرَكَ سُدًى﴾[2]

"کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائیگا"۔

ان آیات بینات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیکار اور عبث پیدا نہیں کیا، بلکہ انسان کو ایک خاص فضیلت اور مقام عطا فرمایا ہے۔

علاوہ ازیں اسلام جیسے جیسے پھیلتا گیا، علاقے فتح ہوتے گئے تو وہاں لوگوں کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی گئی پھر اس کے برعکس جو لوگ اسلام کی آغوش میں نہ آئے اسلام کی دعوت کو قبول نہ کیا تو پھر ایسے غیر مسلموں کو جو مسلم ممالک میں رہائش پذیر ہوں جزیہ ادا کرنا ان پر لازمی قرار دیا گیا اسی جزیہ کی وجہ سے، ان کی جان کی حفاظت کرنا، ان کے مال و اولاد کی حفاظت کرنا، یہ سب مسلم ریاست کی ذمہ داری قرار پایا۔ اس لئے کہ انسان ہونے کے ناطے ان غیر مسلموں کو پُر امن زندگی گزارنے کا حق ہے۔ اور اگر غیر مسلم پُر امن زندگی گزارنا چاہتے ہیں، اگر وہ چاہتے ہیں کہ

۱۔ سورۃ الاسراء: ۷۰

۲۔ سورۃ القیامۃ: ۳۶

ان کی جان، مال اور اولاد کی حفاظت کی جائے تو پھر ان کے ذمہ جزیہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَٰتِلُواْ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ ٱلۡحَقِّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ حَتَّىٰ يُعۡطُواْ ٱلۡجِزۡيَةَ عَن يَدٖ وَهُمۡ صَٰغِرُونَ﴾(1)

"ان لوگوں سے لڑو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں اور ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں"۔

پھر اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿لَّا يَنۡهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمۡ يُقَٰتِلُوكُمۡ فِي ٱلدِّينِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمۡ أَن تَبَرُّوهُمۡ وَتُقۡسِطُوٓاْ إِلَيۡهِمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ﴾(2)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

موضوع پر ما قبل تحقیق:

اس موضوع پر ہونے والے گزشتہ کام کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:

مفتی محمد رضوان نے ایک کتاب ''خراج، جزیہ کے احکام'' کے عنوان سے تصنیف کی۔ اسی طرح مسٹر ڈینیل سی وینٹ نے ایک کتاب ''جزیہ اور اسلام'' کے نام سے تصنیف کی۔

مقالہ نگار کو اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ اس موضوع پر کوئی مستقل تحقیقی مقالہ زیر تحریر نہیں لایا گیا۔ مزید برآں موضوع پر موجود کام منتشر اور قابلِ تحقیق ہے اور مزید نئی جہتوں میں تحقیق کی ضرورت ہے جو کہ مقالہ ہذا میں باحث کی طرف سے جدید اور نئی کاوش ہے۔

۱۔ سورۃ التوبۃ: ۲۹

۲۔ سورۃ الممتحنۃ: ۸

تحدید:

1) جزیہ کے اسلامی تصور کو مسلم ممالک میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص دیکھا گیا ہے۔
2) جزیہ پر کئے گئے اعتراضات کا دلائل کے ساتھ جواب دیا گیا ہے۔
3) قبل از اسلام جزیہ کا تصور مختلف ممالک بالخصوص ایران، روم، چین اور ہندوستان میں بیان کیا گیا ہے۔

مقاصدِ تحقیق:

اس تحقیق کے مقاصد درج ذیل ہیں:

1) جزیہ اور ٹیکس کے فرق کو واضح کرنا
2) جزیہ کے اسلامی تصور کو واضح کرنا
3) غیر مسلموں کے جزیہ پر اعتراضات کے جوابات سے آگاہ کرنا
4) جزیہ کے معاشی و معاشرتی فوائد کو واضح کرنا

تحقیقی سوالات:

1) جزیہ کے وجوب کی کون کون سی صورتیں ہو سکتی ہیں؟
2) مستشرقین نے جزیہ کو کن بنیادوں پر حقوق انسانی کے خلاف قرار دیا ہے؟

اسلوب تحقیق:

1) تجزیاتی و بیانیہ ہے۔
2) تقابلی انداز کو بھی اختیار کیا گیا ہے۔
3) تحقیقی موضوع میں مکمل سعی کے ساتھ اصل مصادر و مراجع سے ہی استفادہ کیا گیا ہے اور انھی سے حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں۔ ضرورت کے پیش نظر توضیح و تشریح کے لئے ثانوی مصادر و مراجع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

باب اول

جزیہ کا مفہوم، تاریخ اور صورتیں

فصل اول

جزیہ کا معنی ومفہوم اور اہمیت

فصل اول

جزیہ کا معنی و مفہوم اور اہمیت

جزیہ کی لغوی تعریف

عربی لغت میں جزیہ فعلۃ کے وزن پر ہے یہ جزاء سے مشتق ہے اس کا مادہ ج۔ز۔ی ہے اس کے مختلف معانی اہل لغت نے بیان کیے ہیں۔ جیسا کہ تھذیب اللغۃ میں ہے۔

"وَالجِزْية: جِزْيَة النَّاس الَّتِي تُؤْخَذ من أهل الذمّة، وَجَمعهَا: الجِزَى. وَقَالَ ابْن الْأَعرَابِي: الجِزَى الجوالي، والجالية الجِزيَةُ. وَقَالَ أَبُو بكر: الجِزْيَة فِي كَلَام الْعَرَب: الخْراج المجعول على الذِّمِّيّ، سُمِّيت جِزْيَة لِأَنَّهَا قضاءٌ مِنْهُ لما عَلَيْهِ، أُخِذَ من قَوْلهم: جَزَى يَجْزِي، إِذا قضى". (1)

ترجمہ: اور جزیہ لوگوں کا وہ ٹیکس ہے جو اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے۔ اور جزیہ کی جمع جزی ہے اور ابن الاعرابی کہتے ہیں: الجزی "جوالی" یعنی اہل ذمہ پر مقرر کردہ ٹیکسوں کو کہتے ہیں (اور یہ الجزای اور الجوالی دونوں لفظ جمع ہیں) اور الجالیۃ کا معنی ٹیکس ہے۔ (الجالیۃ اور الجزیۃ دونوں لفظ مفرد ہیں) اور ابو بکر نے کہا: کہ جزیہ کلام عرب میں اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو ذمی پر مقرر ہوتا ہے اس کو جزیہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جزی یجزی بمعنی ادا کرنے اور پورا کرنے سے ماخوذ ہے اور جزیہ میں ذمی اس چیز کو ادا کرتا ہے جو اس کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔

پتہ چلا کہ جزیہ جزی یجزی سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ادا کرنا ہے، اس کا معنی پورا کرنا ہے۔ تو گویا ذمی اپنی طرف سے وہی چیز مکمل ادا کریں گے جس کا ادا کرنا ان پر لازم ہوتا ہے۔

اسی طرح المحیط میں ہے:

"جزى: تَجَازَيْتُ دَيْني: أي تَقَاضَيْته. والمُتَجازي: المُتَقَاضي. والجَزَاءُ: المُكافَأةُ بالإِحْسَانِ والإِسَاءَةِ، والفِعْلُ: جَزى يَجْزي. وفلانٌ ذو جَزَاءٍ: أي غَنَاءٍ. والجِزْيَةُ: الخَرَاجُ. وجِزْيَةُ أهْلِ الذِّمَّةِ". (2)

۱۔ ازہری، محمد بن احمد، معجم تھذیب اللغۃ، دار المعرفۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۲، ۲۰۰۱ء، ۶۰۲/۱

۲۔ اسماعیل بن عباد، المحیط فی اللغۃ، عالم الکتب، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء، ۱۵۱/۷

جزی: تجازیت دینی کا معنی ہے۔ میں نے اس سے قرض وصول کیا اور متجازی کا معنی ہے قرض وصول کرنے والا اور الجزاء کا معنی ہے اچھائی یا برائی کیساتھ بدلہ دینا اور اس کا فعل جزی یجزی ہے اور فلاں ذو جزا کا معنی ذو غناء (یعنی فلاں مال والا ہے) اور الجزیۃ اھل ذمہ کے ٹیکس کو کہتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ اس کا معنی تقاضا کرنا، طلب کرنا بھی ہے اور پھر بدلہ کے معنی میں بھی ہے کہ جزیہ غیر مسلموں سے طلب کرنا، جزیہ کا غیر مسلموں سے تقاضا کرنا اور ان کا اپنی جان کی حفاظت، اپنے مال کی حفاظت کے بدلے میں جزیہ ادا کرنا۔

اسی طرح ابن منظور افریقی رقم طراز ہیں۔

المكافأة على الشئ. (1)

کسی چیز پر بدلہ دینا۔

ابن المطرز کہتے ہیں:

"الجزية هي من الأجزاء لأنها تجزي عن الذمي". (2)

جزیہ اجزاء سے ہے جس کے معنی ہے کہ یہ ذمی کی طرف سے کافی ہوگی۔

ان تمام تعریفات سے درج ذیل معنی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ جزیہ کا ان کی طرف سے کافی ہو جانا، جزیہ کا ان کی طرف سے ادا کر دینا، جزیہ کا ان کی اپنی جان، مال کی حفاظت کے بدلے میں ادا کرنا، غیر مسلموں سے جزیہ کا تقاضا کرنا۔

اصطلاحی تعریف

جزیہ کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح سے کہ یہ باہم رضامندی سے، صلح سے لیا جائے یا پھر بزور طاقت؟

احناف اور مالکیہ کے ہاں تو یہ عام ہے چاہے رضامندی سے لیا گیا ہو یا پھر بزور طاقت جبکہ شوافع کے نزدیک جزیہ وہ ہے جو باہم رضامندی سے لیا جائے نہ کہ بزور طاقت اور حنابلہ کے نزدیک جزیہ وہ ہے جو ذلت و

۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، دار صادر بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۴۱۴ھ، ۱۴/۱۴۵

۲۔ ابن المطرز، ناصر بن عبدالسید، المغرب فی ترتیب المعرب، دار الکتاب العربی، ص: ۸۱

خواری سے ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک:

علامہ بدر الدین العینی لکھتے ہیں:

"مال يؤخذ من أهل الكتاب جزاء الاسكان في دار الإسلام".(1)

وہ مال جو اہل کتاب سے دار الاسلام میں رہائش کے بدلے لیا جاتا ہے۔

فتاوی الھندیۃ میں ہے:

"لما يؤخذ من أهل الذمة".(2)

وہ محصول جو اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک:

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی رقمطراز ہیں:

"هي المال المأخوذ منهم".(3)

وہ مال جو ان سے لیا جائے۔

شوافع کے نزدیک:

علامہ ابو بکر بن محمد تقی الدین الشافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"هِيَ المَال الْمَأْخُوذ بِالتَّرَاضِي لإسكاننا إيَّاهُم فِي دِيَارنَا أَو لحق دِمَائِهِمْ وذراريهم وَأَمْوَالهمْ أَو لكفنا عَن قِتَالهمْ".(4)

وہ مال جو باہم رضامندی سے لیا گیا ہو، اس لیے کہ ہم نے اپنے ملک میں رہائش کی اجازت دی، یا اس لیے کہ ان کی جان، مال اور اولاد کی حفاظت کی یا اس لیے کہ ہم ان سے جنگ کرنے سے باز رہے۔

حنابلہ کے نزدیک:

۱۔ عینی، محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار إحیاء التراث العربی بیروت، ۱۵/۷۷

۲۔ بلخی، نظام الدین، الفتاوی الھندیۃ، لجنۃ علماء برئاسۃ، دار الفکر، ۱۳۱۰ھ، الطبعۃ الثانیۃ، ۲/۲۴۴

۳۔ مالکی، محمد بن احمد، منح الجلیل شرح مختصر خلیل، دار الفکر بیروت، ۳/۲۱۳

۴۔ شافعی، ابو بکر بن محمد، کفایۃ الأخیار فی حل غایۃ الاختصار، دار الخیر دمشق، ۱۹۹۴م، الطبعۃ الاولیٰ، ۱/۵۰۸

علامہ منصور بن یونس الحنبلی لکھتے ہیں۔

"(فَالْجِزْيَةُ) مَأْخُوذَةٌ مِنَ الْجَزَاءِ (مَالٌ يُؤْخَذُ مِنْهُمْ عَلَى وَجْهِ الصَّغَارِ) بِفَتْحِ الصَّادِ الْمُهْمَلَةِ أَيْ: الذِّلَّةِ وَالِامْتِهَانِ (كُلَّ عَامٍ بَدَلًا عَنْ قَتْلِهِمْ وَإِقَامَتِهِمْ بِدَارِنَا)".[1]

جزیہ جزاء سے مأخوذ ہے (وہ مال جو ذلت وخواری کے طریقے پر ہر سال ذمیوں سے لیا جاتا ہے جو ان کے قتل اور دار الاسلام میں ان کے قیام کا بدلہ ہوتا ہے)

ان تمام تعریفات کو مد نظر رکھ کر ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ جزیہ باہم رضامندی سے بھی لیا جاتا ہے، بزور طاقت بھی لیا جاتا ہے، دار الاسلام میں قیام کی وجہ سے بھی، ان کا اپنی جان، مال اور اولاد کی حفاظت کی وجہ سے بھی جزیہ کا ادا کرنا ہے۔

ان تمام تعریفات میں سے ہمیں یہ تعریف زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ غیر مسلموں سے ان کی جان، مال اور اولاد کی حفاظت کی وجہ سے جزیہ لیا جاتا ہے۔

جزیہ کی مشروعیت قرآن کی روشنی میں

شریعت اسلامیہ نے ہر ہر لمحہ پر رہنمائی کی ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا لمحہ نہیں جہاں شریعت اسلامیہ نے رہنمائی نہ کی ہو۔ قتال کے حوالے سے شریعتِ اسلامیہ نے ہماری اس طرح سے رہنمائی کی ہے کہ پہلے اسلام کی دعوت کو حکمت کے ساتھ پیش کیا جائے اگر وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں تو فبہا۔ اور اگر اسلام کی دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں تو پھر ان سے جزیہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے دین پر عمل کرتے ہوئے پُرامن طریقے سے اسلامی معاشرہ میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ اور اسلامی ریاست ان کی جان ومال کی حفاظت کی ضامن ہوگی۔ اور اگر وہ جزیہ بھی ادا نہیں کرتے تو پھر آخری حل یہ ہے کہ ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا ہے جن میں چار باتیں ہوں گی۔ (اللہ پر ایمان نہیں، آخرت پر ایمان نہیں، اللہ اور اس کے رسول کی حرام باتوں کو حرام نہیں مانا اور دین اسلام کو دین حق نہیں مانا) پھر اس بات کو بیان کیا کہ یہاں تک کے یہ لوگ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ حنبلی، منصور بن یونس، کشاف القناع عن متن الاقناع، دار الکتب العلمیۃ، ۳/۱۱۷

﴿قَٰتِلُواْ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ ٱلۡحَقِّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ حَتَّىٰ يُعۡطُواْ ٱلۡجِزۡيَةَ عَن يَدٖ وَهُمۡ صَٰغِرُونَ ﴾(1)

ترجمہ: ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شئے کو حرام نہیں جانتے نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

آیت مبارکہ کے شانِ نزول کے حوالے سے مفسرین کی آراء درج ذیل ہیں۔

امام محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

"ان هذه الآية نزلت على رسول الله ﷺ في أمره بحرب الروم، فغزا رسول الله ﷺ بعد نزولها غزوة تبوك". (2)

رومیوں سے جنگ کرنے کے متعلق یہ آیت آپ ﷺ پر نازل ہوئی اس کے بعد آپ ﷺ نے غزوہ تبوک کا ارادہ فرمایا۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"وهذه الآية الكريمة أول الأمر بقتال أهل الكتاب بعد ما تمهدت أمور المشركين ودخل الناس في دين الله أفواجا واستقامت جزيرة العرب أمر الله ورسوله بقتال أهل الكتابين اليهود والنصارى وكان ذلك في سنة تسع". (3)

اہل کتاب سے جہاد کے حکم کی یہ پہلی آیت ہے، اس وقت تک آس پاس کے مشرکین سے جنگ ہو چکی تھی، ان میں سے اکثر توحید کے جھنڈے تلے آچکے تھے۔ جزیرۃ العرب میں اسلام نے جگہ کر لی تھی اب یہود و نصاری کی خبر لینے اور انہیں راہ حق دکھانے کا حکم ہوا۔ ۹ ہجری میں یہ حکم اترا۔

مفسرین کے اقوال سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ آیت مبارکہ اسلام کے اواخر میں نازل ہوئی اور پھر اس کے بعد اہل کتاب سے جہاد کا حکم ہوا۔

۱۔ سورۃ التوبۃ،۹:۲۹

۲۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ،۱۴۲۰ھ، الطبعۃ الاولی، ۲۰۰/۱۴

۳۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر، دار الکتب العلمیۃ بیروت،۱۴۱۹ھ، الطبعۃ الاولی، ۱۱۶/۴

(عن ید) سے مراد

عن ید کے حوالے سے مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اس میں تین اقوال ہیں۔

۱۔ بعضهم يقول، عن يد: نقداً يدبيد

بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد نقد۔ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں

۲۔ وبعضهم يقول: يمشون بها

بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جزیہ خود لے کر چلتے ہوئے آئیں

۳۔ وبعضهم يقول: يعطوها قياما

بعض کہتے ہیں، کہ وہ جزیہ کھڑے ہو کر دیں۔[1]

اسی طرح امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے بھی مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۔ قال ابن عباس: يدفعها بنفسه غير مستنيب فيها أحداً.

ابن عباس رضی اللہ عنھما کہتے ہیں وہ بذات خود جزیہ دیے گا اس میں کسی کو نائب نہیں بنائے گا۔

۲۔ عن قتادة قال: عن قهر

قتادۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مغلوب اور مجبور ہو کر دے گا۔

۳۔ وقيل: عن انعام منكم عليهم لأنهم اذا أخذت منهم الجزية فقد انعم عليهم بذلك.

تمہاری طرف سے اُن پر جو انعام ہے اس کے عوض دے گا کیونکہ جب ان سے جزیہ لیا گیا تو تحقیق ان پر اس سے انعام کیا گیا۔[2]

صاغرون سے مراد

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔

۱۔ قال ابن عباس: ان يمشوا بها ملبيين

۱۔ ابن سلام، قاسم، کتاب الاموال، دار الفکر بیروت، ص: ۲۷

۲۔ قرطبیؒ، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، دار الکتب المصریۃ القاهرة، ۱۳۸۴ھ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۱۵/۸

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ پیدل چلتے ہوئے جزیہ لے آئیں اس حال میں کہ ان کا گریبان پکڑا ہوا ہو۔

۲۔ قال سلمان الفارسي: ان لا يحمدوا على اعطائهم.

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ادائیگی جزیہ کے وقت ان کی تعریف نہ کیا جائے گی۔

۳۔ قال عكرمة: ان يكونوا قياما والآخذ جالسا

عکرمہ کہتے ہیں کہ جزیہ دینے والا کھڑے ہو کر ادا کرے اور لینے والا بیٹھا ہو۔(1)

اب ان تمام اقوال کے بارے میں امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"وهذا كله مما لا دليل عليه ولا هو مقتضى الآية ولا نقل عن رسول الله ﷺ ولا عن الصحابة انهم فعلوا ذلك".

ترجمہ: یہ ساری کی ساری باتیں ایسی ہیں جن پر کوئی دلیل نہیں یہ مفہوم نہ ہی قرآنی آیت کا مقتضی ہے نہ ہی اس کو نبی کریم ﷺ سے نقل کیا گیا ہے اور نہ ہی صحابہ کے متعلق بات موجود ہے کہ انہوں نے کبھی ایسا کیا ہو۔

آگے مزید لکھتے ہیں۔

"والصواب فى الآية أن الصغار هو التزامهم لجريان أحكام الملة عليهم وإعطاء الجزية فان التزام ذلك هو الصغار".

ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ بے شک صغار یہ ہے کہ ان (ذمیوں) پر اسلامی ریاست کے قوانین لاگو ہوں گے نیز صغار سے مراد ان کا جزیہ کی ادائیگی کی پابندی کرنا ہے۔(2)

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"سمعت عددا من أهل العلم يقولون الصغار أن يجري عليهم حكم الإسلام".(3)

ترجمہ: میں نے بہت سے اہل علم سے سنا ہے کہ صغار کے معنی ذمیوں پر اسلامی قوانین لاگوں ہونے کے ہیں۔

۱۔ ابن الجوزی، عبدالرحمان، زادالمسیر فی علی التفسیر، دار الکتب العربی بیروت، ۱۴۲۲ھ، الطبعۃ الاولی، ۲/۲۵۰

۲۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، احکام اھل الذمہ، مادی للنشر، الدمام، ۱۴۱۸ھ، الطبعۃ الاولی، ۱/۱۲۱، ۱۲۰

۳۔ شافعی، محمد بن ادریس، الام، دار المعرفۃ بیروت، ۴/۱۸۶

آیتِ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اسلام کے اواخر میں نازل ہوئی ہے اور شارحین نے اپنے اپنے علم و فہم کے مطابق بیان کیا کہ جزیہ کی ادائیگی کے وقت ان کی تعریف نہ کی جائے، ان کا گریبان پکڑا ہوا ہو، کھڑے ہو کر جزیہ دیں، خود جزیہ دیں، کسی کو اپنا نائب مقرر نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ الغرض ان کی ذلت و پستی اسی بات میں ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ دین، دینِ اسلام پر نہیں ہیں۔ کفر و شرک کے راستے پر گامزن ہیں اور پھر اسلامی ریاست میں ان کو اپنے قوانین بنانے نہیں ہونگے بلکہ وہ اسلامی قوانین کے تابع رہ کر زندگی گزاریں گے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام سے بھی جزیہ کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَا تُجَٰدِلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ إِلَّا ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنۡهُمۡۖ وَقُولُوٓاْ ءَامَنَّا بِٱلَّذِيٓ أُنزِلَ إِلَيۡنَا وَأُنزِلَ إِلَيۡكُمۡ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمۡ وَٰحِدٞ وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ﴾(1)

ترجمہ: اور اہل کتاب سے بحث و مباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں اور صاف اعلان کردو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم سب اسی کے فرمان بردار ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اہل کتاب کو عمدہ طریقہ سے دعوت دینے کے بارے میں کہا ہے، جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر بھی اچھے طریقے سے دعوت دینے کے بارے میں عام حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعۡلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ وَهُوَ أَعۡلَمُ بِٱلۡمُهۡتَدِينَ﴾(2)

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے سے بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔ بے شک تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔

اسی طرح اللہ رب العالمین نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف دعوت دینے کے

۱۔ سورۃ العنکبوت، ۲۹:۴۶

۲۔ سورۃ النحل، ۱۶:۱۲۵

لیے بھیجا تو اس وقت بھی حکم یہی ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾ (1)

ترجمہ: پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس اُمید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔

اس آیت سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جب بھی کسی کو دین اسلام کی دعوت دینی ہو تو شائستگی اور نرمی سے دعوت دی جائے مگر جو لوگ نرمی سے بات نہ مانیں ضد اور تعصب پر اتر آئیں، قتال کریں، ظلم پر اڑ جائیں تو پھر ایسے لوگوں سے سختی کے ساتھ بات کرنی ہوگی۔

آیت مبارکہ میں ظلموا سے مراد کون لوگ ہیں؟

اس حوالے سے مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں امام مجاہد فرماتے ہیں

"من قاتلك ولم يعطك الجزية". (2)

ترجمہ: جو آپ سے جنگ کریں اور جزیہ نہ دے۔

اسی طرح امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے امام مجاھد اور امام سعید بن جبیر رحمھما اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

"قال مجاهد وسعيد بن جبير: وقوله إلا الذين ظلموا منهم معناه إلا الذين نصبوا للمؤمنين الحرب فجدالهم بالسيف حتى يؤمنوا، أو يعطوا الجزية". (3)

ترجمہ: امام مجاہد اور سعید بن جبیر رحمھما اللہ بیان کرتے ہیں: اللہ کا فرمان (الا الذین ظلموا منھم) اس کا معنی ہے مگر وہ لوگ جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کی تو ان کے ساتھ جدال تلوار کے ساتھ ہوگا یہاں تک کہ ہو ایمان لے آئیں یا جزیہ دیں۔

اب اس آیتِ مبارکہ میں بھی خاص اہلِ کتاب سے خطاب کیا جا رہا ہے کہ ان اہل کتاب کو نرمی کے ساتھ، پیار و محبت کے ساتھ، شائستگی کے ساتھ، اسلام کی دعوت دی جائے اس لیے کہ اہل کتاب میں اور ہم میں ایک مشترک بات ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کی جائے گی اور اس آیت میں یہ بیان کیا کہ ہم اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا۔ الغرض جب بنیاد ایک

۱۔ سورۃ طٰہٰ، ۲۰: ۴۴

۲۔ جامع البیان عن تاویل ای القرآن، ۴۱۸/۱۸

۳۔ الجامع لأحکام القرآن، ۳۵۱/۱۳

ہے تو پھر بھی جو لوگ اس محبت والفت بھری دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں اپنی ضد اور انا پر اُتر آتے ہیں، تعصب اور ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔ لڑائی جھگڑا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، اسلامی ریاست میں تابع بن کر زندگی بسر نہیں کرنا چاہتے، جزیہ ادا کرنے کو تیار نہیں، تو پھر ان کے ساتھ جہاد بالسیف ہو گا۔

جزیہ کی مشروعیت احادیث کی روشنی میں

شریعت اسلامیہ کا دوسرا اہم مآخذ حدیث نبوی ہے۔ ان احادیث میں نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات شامل ہیں۔ نبی کریم ﷺ جب بھی کسی لشکر کو روانہ کرتے تو اس لشکر پر جس صحابی کو امیر مقرر کرتے تو اُسے چند وصیتیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیثِ مبارکہ میں ہے:

"عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَمَّرَ أَمِيراً عَلَى جَيْشٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللهِ، وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: «اغْزُوا بِاسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تَمْثُلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ - أَوْ خِلَالٍ - فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ". (1)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی بڑے لشکر یا چھوٹے دستے پر کسی کو امیر مقرر کرتے تو اسے خاص اس کی اپنی ذات کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی اور ان تمام مسلمانوں کے بارے میں جو اس کے ساتھ ہیں بھلائی کی تلقین کرتے پھر فرماتے: اللہ کے نام سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو جو اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اُن

۱۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب تامیر الامام الأمراء علی البعوث ووصیتہ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، رقم الحدیث: ۱۷۳۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت

سے لڑو، نہ خیانت کرو، نہ بد عہدی کرو، نہ مثلہ کرو اور نہ کسی بچے کو قتل کرو اور جب مشرکوں میں سے اپنے دشمن سے ٹکراؤ تو انہیں ۳ باتوں کی طرف بلاؤ ان میں سے جسے وہ تسلیم کریں (اسی کو) ان کی طرف سے قبول کرلو اور ان (پر حملے) سے رُک جاؤ، انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ مان لیں تو اسے ان کی طرف سے قبول کرلو اور (جنگ سے) رک جاؤ، پھر انہیں اپنے علاقے سے مہاجرین کے علاقے میں آجانے کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے لیے وہی حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ وہاں سے نقل مکانی کرنے پر انکار کریں تو انہیں بتاؤ کہ پھر وہ بادیہ نشین مسلمانوں کی طرح ہوں گے ان پر اللہ کا وہی حکم نافذ ہوگا جو مومنوں پر جاری ہوتا ہے اور غنیمت اور فئی میں سے ان کے لیے کچھ نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو اگر وہ تسلیم کرلیں تو ان کی طرف سے قبول کرلو رک جاؤ اور اگر وہ انکار کریں تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے لڑو۔

اس حدیث مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ جب بھی کسی لشکر کو روانہ کرتے تو اس کے امیر کو وصیتیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے ان پر ۳ باتیں پیش کرنا۔ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ دوسرے نمبر پر یہ کہ اگر وہ اسلام کو قبول نہ کریں تو انہیں کہنا کہ جزیہ دینا قبول کریں اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے ہیں تو تم اُن پر حملہ کرنے سے رُک جانا۔ تیسرا یہ کہ اگر وہ جزیہ دینے پر بھی راضی نہ ہوں تو پھر اُن سے قتال کرو۔

اب رہی وہ حدیث جن میں نبی ﷺ نے فرمایا۔

"أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلاَةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الإِسْلاَمِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ". (1)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الایمان باب (فان تابوا واقاموا الصلوۃ واٰتوا الزکاۃ فخلوا سبیلھم)، رقم الحدیث: ۲۵، دار السلام للنشر والتوزیع الطبعۃ الثانیۃ

کریں لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور وہ نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دیں، جس وقت وہ یہ کرنے لگیں گے تو مجھ سے اپنے جان ومال کو محفوظ کرلیں گے۔ سوائے اسلام کے حق کے (رہا ان کا مال تو) ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"وانما توجه هذه الأحاديث على أن رسول الله ﷺ انما قال ذلك في بدء الإسلام، وقبل أن تنزل سورة براءة ويؤمر فيها بقبول الجزية، في قوله (حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون) وانما نزل هذا في آخِر الإسلام".(1)

ترجمہ: ان احادیث کی توجیہ اس طرح کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب اسلام ابتدائی دور سے گزر رہا تھا اور سورۃ توبہ نازل نہیں ہوئی تھی جس پر نبی کریم ﷺ کو آیت کریمہ (حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون) سے جزیہ وصول کرنے کا حکم ہوا۔ یہ حکم اسلام کے آخری زمانہ میں نازل ہوا تھا۔

اسی طرح ہمیں نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

حَتَّى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ.(2)

ترجمہ: یہاں تک کہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔

آپ ﷺ کے فعل سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مسلموں سے جزیہ لیا اور پھر جب کسی دستہ کو روانہ کرتے ہیں تو اسے بھی یہی تلقین کرتے ہیں کہ جب وہ غیر مسلم آپ کے تابع بن کر زندگی گزارنے پر راضی ہو جائیں گے تو پھر ان سے جزیہ لینا۔ علاوہ ازیں جن احادیث میں جزیہ کا ذکر نہیں ہے وہ سورۃ توبہ کے نازل ہونے سے پہلے کی ہیں۔ یعنی یہ بات نبی کریم ﷺ نے سورۃ توبہ کے نازل ہونے سے پہلے فرمائی تھی۔ اور مفسرین کی آراء سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ توبہ میں جزیہ کا حکم اسلام کے اواخر میں نازل ہوا تھا۔

۱۔ کتاب الاموال، ص: ۲۷

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب، الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الذمۃ والحرب، رقم الحدیث: ۳۱۷۵

جزیہ کی اقسام

جب بھی کسی علاقے کو فتح کیا جاتا تھا تو وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت پیش کی جاتی تھی جو قبول کر لیتے تھے وہ مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو جاتے تھے اور جو قبول نہیں کرتے تھے ان سے جزیہ کو ادا کرنے کا کہا جاتا تھا۔ یہ جزیہ طرفین کی باہم رضامندی سے بھی لیا جاتا تھا اور پھر بغیر رضامندی کے ان پر غلبہ پانے کے بعد بھی جزیہ کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ اسی بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے جزیہ کی دو اقسام بنائی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ تقسیم صرف احناف اور مالکیہ کے نزدیک ہے۔

جزیہ کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ جزیہ صلحیہ

۲۔ جزیہ عنویہ

۱۔ جزیہ صلحیہ

"لو وضعت بتراض وصلح لايعدل عنها".[1]

ترجمہ: جزیہ اگر باہم رضامندی سے مقرر ہو تو اس سے عدول نہیں کیا جائے گا۔

طرفین کی رضامندی سے جو مقرر کر لیا جائے اس سے انکار نہیں کیا جائے گا اور یہ مقرر کیا گیا جزیہ نہ دینا جائز نہیں کیونکہ اس میں پھر عہد شکنی ہے۔

امام ابن رشد رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

اس صنف میں کوئی تعین نہیں ہے نہ واجب ہے مقدار کی نہ کسی پر اور کب واجب ہے اس کی تعین ہے۔ یہ سب مسلمانوں اور صلح کے طلبگاروں کے درمیان طے ہونے والے معاہدہ پر منحصر ہے۔[2]

امام ابن رشد رحمہ اللہ کے اس بیان سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جتنا بھی اس معاہدے میں طے کر لیا جائے گا اُتنا ہی لیا جائے گا۔ اس سے زیادہ یا کم نہیں لیا جائے گا۔

۱۔ زیلعی، عثمان بن علی، تبیین الحقائق شرح کنزالد قائق، المکتبۃ الکبری الأمیریہ، بولاق القاھرۃ، ۱۳۱۳ھ، الطبعۃ الاولیٰ، ۲۷۶/۳

۲۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، مترجم: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، دارالتزکیر، رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور، اشاعت ۲۰۰۹ء، ص: ۵۱۸

۲۔ جزیہ عنویہ

"إذا لم توضع بالتراضي بل وضعت بالقهر بأن غلب الإمام على الكفار واقرهم على أملاكهم". (1)

ترجمہ: وہ جزیہ جو بطور صلح نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کے کافروں پر غالب آنے کے بعد اور کافروں کو ان کی املاک وغیرہ پر قائم رکھنے کے بعد مقرر کیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مغلوب قوم کی مرضی کے بغیر اوران پر غالب آنے کے بعد جو جزیہ عائد کیا گیا ہے اُسے جزیہ عنویہ کہا گیا ہے۔اس کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک اس کی ۳حالتیں ہیں۔

۱۔ فقیر ۲۔متوسط ۳۔مالدار

۱۔ فقیر سے سالانہ ۱۲درہم ہر ماہ ایک درہم لیا جائے گا۔

۲۔ متوسط سے سالانہ ۲۴درہم ہر ماہ ۲درہم لیے جائیں گے۔

۳۔ مالدار سے سالانہ ۴۸درہم ہر ماہ ۴درہم لیے جائیں گے۔ (2)

مالکیہ کے نزدیک

مالکیہ کے نزدیک ۲روایات ہیں۔

ایک روایت

اہل ذہب پر ۴دینار اور اہل ورق پر ۴۰درہم (3)

دوسری روایت

مالدار سے ۴۰درہم یا ۴دینار اور فقیر سے ۱۰درہم یا ۱دینار (4)

معلوم ہوا کہ باہم رضامندی سے جو بھی طے پا جائے جتنی مقدار یا جتنی رقم وہی لیا جائے گا۔اسی طرح اُن پر غلبہ پانے کے بعد اُن کی مرضی کے بغیر مقرر کیا جائے گا تو فقہا کے نزدیک اس کی مختلف حالتیں ہیں۔

۱۔ تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، ۲۷۶/۳

۲۔ ایضاً

۳۔ ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، دارالحدیث القاہرۃ، ۱۶۶/۲

۴۔ المغنی، ۳۳۵/۹

فصل دوم

قبل از اسلام جزیہ کا تاریخی پس منظر

فصل دوم

قبل از اسلام جزیہ کا تاریخی پس منظر

جب قبل از اسلام تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر غالب قوم نے اپنے ماتحت لوگوں سے جزیہ وصول کیا ہے۔اوراس جزیہ کا ذکرا گرچہ مختلف ناموں کے ساتھ آتا ہے محصول ٹیکس وغیرہ۔یہ جزیہ اسلام کی محدثات میں سے نہیں ہے بلکہ زمانہ قدیم سے ہی چلا آرہا ہے۔اوراس کو سب سے پہلے فارس کے بادشاہ انوشروان نے ہی شروع کیا تھا اوراس کے اصول وضوابط مرتب کیے تھے۔جیسا کہ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں کہ :

> سب سے پہلے فارس کے بادشاہ انوشروان نے اس کو شروع کیا اور اس کے اصول کو مرتب کیا۔(1)

> یہ بادشاہ کس طرح سے جزیہ لیا کرتا تھا اور اس کے کیا اصول وضوابط تھے؟

امام طبریؒ اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

"وكان ملوك فارس يأخذون من كُوَر من كُوَرِهم قبل ملك كسرى أنوشِرْوان في خراجها الثُلث، ومن كُوَر الرّبع، ومن كُوَر الخمس، ومن كُوَر السدس؛ على قدر شَرْبها وعمارتها، ومن جزية الجماجم شيئًا معلومًا، فأمر الملك قُباذ بن فَيروز في آخر ملكه بمسْح الأرض؟ سهلها وجبلها ليصحّ الخراج عليها، فمُسِحت؛ غير أن قُباذ هلك قبل أن يستحكِم له أمرُ تلك المساحة؛ حتى إذا ملك ابنه كسرى أمر باستتمامها وإحصاء النخْل والزيتون والجماجم، ثم أمر كتّابه فاستخرجوا جُمل ذلك، وأذن للناس إذنًا عامًّا، وأمر كاتب خراجه أن يقرأ عليهم الجمل التي استخرجت من أصناف غلّات الأرض، وعدد النخل والزيتون والجماجم، فقرأ ذلك عليهم، ثم قال لهم كسرى: إنا قد رأينا أن نضع على ما أحْصِي من جِرْبان هذه المساحة من النخل والزيتون والجماجم وضاخ، ونأمر بإنجامها في السنة في ثلاثة أنْجُم، ونجمع في بيوت أموالنا من الأموال ما لو أتانا عن ثَغْر من ثغورنا، أو طَرَف من أطرافنا فَتْق أو شيء نكرهه، واحتجنا إلى تداركه أو حَسْمه ببذلنا فيه

ا۔ الزحیلی، وھبۃ، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار الفکر دمشق، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء، الطبعۃ الثالثۃ، ص: ۶۹۳

مالًا؛ كانت الأموال عندنا معدّة موجودة، ولم نُرد استئناف اجتبائها على تلك الحال". (1)

"کسری سے پہلے فارس کے بادشاہ صوبوں سے خراج مختلف مقدار میں لیتے تھے۔ کسی صوبے سے ایک تہائی، کسی سے ایک چوتھائی، کسی سے پیدوار کا پانچواں حصہ، کسی سے چھٹا حصہ خراج پانی اور پیدوار کے مطابق لیا کرتے تھے، اور کھوپڑیوں کے جزیہ میں بھی کچھ مقررہ رقم وصول کی جاتی تھی۔ جب قباذ بن فیروز نے آخری دور زمینوں کی گندی حالت دیکھی تو زمینوں کی نشیب وفراز کو برابر کرکے ہموار کرنا چاہا چنانچہ اس کے دور میں کچھ کام ہوا مگر کام مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ فوت ہوگیا، جب اس کا بیٹا کسری بادشاہ بنا تو اس نے باقی ماندہ کام مکمل کروایا، کھجور، زیتون اور کھوپڑیوں کی شماری کا حکم ہوا کہ مختلف انواع واقسام کے غلوں کی فہرستیں تیار کرکے رعایاکے سامنے رکھی جائیں۔ کھجور، زیتون اور کھوپڑیوں کی تعداد ومقدار لوگوں کو پڑھ کر سنائی جائے چنانچہ اس پر عمل ہوا اور بادشاہ کسری نے اعلان کروایا کہ زمین کے پیمائش شدہ رقبہ میں موجود کھجور اور زیتون اور کھوپڑیوں اور غلوں کے بارے میں حکم نامہ جاری کرنا چاہتا ہوں اور رعایا اس بات کی پابند ہوگی کہ ہر سال ہمارے پاس تین حصوں میں جمع کرے تاکہ ہمارے بیت المال میں مال ہر وقت وافر مقدار میں موجود رہے۔ دشمن اگر سرحدوں سے دراندازی کرے تو ان سے نمٹنے کے لئے اس وقت نئے سرے سے چندہ مہم شروع کرنے کی نوبت ہی نہ آئے بلکہ بیت المال میں پہلے اموال واسباب مہیا رہیں"۔

اس جزیہ کی شرح کرتے ہوئے امام طبری بیان کرتے ہیں:

"وألزمُوا الناس الجِزْية ما خلا أهلَ البيوتات والعظماء والمقاتلة والهرابذة والكتّاب؛ ومَنْ كان في خدمة الملك، وصيّروها على طبقات: اثني عشر درهمًا، وثمانية، وستة، وأربعة، كقَدْر إكثار الرجل وإقلاله، ولم يُلزِموا الجزية مَنْ كان أتى له من السنّ دون العشرين أو فوق الخمسين". (2)

۱۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث – بیروت، ۱۳۸۷ھ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۵۰/۲

۲۔ تاریخ الرسل والملوک، ۱۵۱/۲

اور لوگوں پر انھوں نے جزیہ لگایا سوائے اونچے گھرانوں، معززین، فوجیوں، محرر اور شاہی ملازمین کے اور اس کی چند شرحیں رکھیں یعنی بارہ درہم، آٹھ درہم، چھ اور چار درہم آدمی کی ثروت اور فقر کے لحاظ سے اور ۲۰ سال سے کم اور ۵۰ سال سے اوپر والے شخص پر جزیہ نہیں لگایا۔

اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے:

۱۔ ایران میں انسانوں پر جزیہ عائد تھا۔

۲۔ جزیہ حسب استطاعت تھا۔

۳۔ ۲۰ سال سے کم اور ۵۰ سال سے زائد عمر کے آدمی اس جزیہ سے مستثنی تھے۔

۴۔ فوجی، اونچے گھرانے کے لوگ، معززین، منشی اور شاہی خاندان کے ملازمین جزیہ سے مستثنی تھے۔

۵۔ عورتیں مستثنی نہ تھیں۔

اسی طرح مسٹر ڈینیل سی ڈینٹ جونیر بھی ایران کی اسی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"خسرو نے محصول سر کی بھی اصلاح کی۔ اس اصلاح کے مطابق ۲۰ سال سے ۵۰ سال کی عمر تک ہر مرد کیلئے محصول سر دینا لازم تھا، البتہ مقدار محصول ہر فرد کی آمدنی پر مبنی تھی اور یہ علی قدر مراتب سالانہ بارہ، آٹھ، چھ اور چار درہم تھی۔ اکثریت طبعا کم ترین مقدار (۴ درہم) ادا کرتی اور ہر شخص کو یہ محصول ادا کرنا نہیں پڑتا تھا۔ خصوصیت سے سات خاندانوں کے افراد مستثنی رکھے گئے تھے۔ ان میں سے ایک حکمران خاندان بھی تھا۔ اکابر (العظماء یا بزرگ) بھی جو نظم و نسق کے رئیس تھے اس محصول سے مستثنی تھے۔ اسی طرح سپاہی، مذہبی پیشوا، معتمدین اور بادشاہ کے ملازمین خاص بھی یہ محصول ادا نہیں کرتے تھے، گویا خاص استحقاق رکھنے والے طبقوں، حکمرانوں، فوجی، مذہبی اور تعلیم یافتہ امراء اور عام لوگوں کے درمیان امتیاز قائم کر دیا گیا تھا"۔ (1)

اسی طرح امام طبری رحمہ اللہ نے اہل فارس کے حوالے سے مزید نقل کیا ہے:

"بهرام قائد من قواده إلى ما وراء النهر منهم وأمره بقتالهم فقاتلهم وأثخنهم حتى أقروا

۱۔ سی ڈینٹ، ڈینیل، جزیہ اور اسلام، مترجم: مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز، ص: ۳۵-۳۶

البهرام بالعبودية وأداء الجزية".[1]

بھرام نے اپنے ایک کمانڈر کے ہمراہ کچھ فوج ماوراء النھر کی جانب روانہ کی اور انھیں لڑنے کا حکم دیا چنانچہ انھوں نے حکم کی تعمیل کی جذبہ میں خون ریزی کر کے وہاں کے باشندوں کو اطاعت اور ادائے جزیہ پر آمادہ کیا۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر امام طبری رحمہ اللہ ایک دوسرے بادشاہ کے بارے میں جس کا نام ابن ارملہ تھا اور لقب بخت نصر تھا اور یہ بڑا اسفاک اور ظالم بادشاہ تھا اسی بادشاہ کے بارے میں امام صاحب بیان کرتے ہیں:

"وخرب بيت المقدس وأمر به أن تطرح فيه الجيف وقال من طرح فيه جيفة فله جزيته تلك السنة".[2]

اور (بخت نصر) نے بیت المقدس کو تباہ کیا اور اس کے اندر کوڑا کرکٹ اور مردار ڈالنے کا حکم دیا یہاں تک کہ اس کے اندر گندگی پھیلانے والوں کا ایک ایک سال کا جزیہ معاف کرنے کا اعلان کیا۔

اس سے ہمیں بخت نصر کی سفاکیت کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے ان لوگوں کا جزیہ معاف کیا جنہوں نے بیت المقدس کو تباہ کیا، بیت المقدس کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے اس میں مردار اور گندگی پھیلائی۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت غیر مذہب والوں کا کوئی احترام نہیں تھا اور غیر مذہب والوں کی عبادت گاہوں کا تقدس پامال کرنا معمولی سمجھا جاتا تھا۔

چین میں جزیہ کی صورتحال:

چین میں جزیہ کے حوالے سے معروف مصنف سلیمان تاجر جس نے بغرض تجارت چین کا سفر کیا تھا اور ھ میں اپنا سفر نامہ لکھا، جس میں مصنف نے وہاں کے جزیہ کے حوالے سے بیان کیا، وہ لکھتا ہے:

"ولكن عليهم جزية على الجماجم الذكور حسبما يرون من الأموال وان كان بها أحد من العرب أو غيرهم أخذ منه جزية ماله ليحرز ماله".

اور لیکن ان پر حالات کے مطابق جزیہ مردوں سے لیا جاتا ہے اور اگر وہاں عرب یا دوسرے ملک کا کوئی شخص ہوتا ہے تو اس سے اس کے مال کا جزیہ لیا جاتا ہے تاکہ اس کے مال کی

۱۔ تاریخ الرسل والملوک، ۱/۴۱۰

۲۔ ایضاً، ۱/۳۴۷

حفاظت کی جائے۔

آگے چل کر مزید لکھتا ہے:

"وليس عليهم خراج ضياعهم وإنما يؤخذ من الرؤس على قدر أموالهم وضياعهم، وإذا ولد لأحد ذكر كتب اسمه عند السلطان فإذا بلغ ثماني عشرة سنة أخذت منه الجزية فإذا بلغ ثمانين سنة لم يؤخذ منه جزية". (1)

اور ان پر جائداد کا خراج نہیں ہے، بلکہ مردوں سے مال کا اور جائداد کا تخمینہ کرنے بعد (جزیہ) لیا جاتا ہے، اور جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا نام بادشاہ کے پاس لکھوادیا جاتا ہے جب وہ اٹھارہ سال کا ہوتا ہے تو اس سے جزیہ لیا جاتا ہے اور جب ۸۰ سال کا ہو جاتا ہے تو پھر جزیہ نہیں لیا جاتا۔

اس سے ہمیں درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ جزیہ مردوں سے لیا جاتا تھا۔

۲۔ عورتیں مستثنی تھیں۔

۳۔ ہر شخص سے اس کی طاقت کے مطابق جزیہ لیا جاتا تھا۔

۴۔ عرب یا غیروں سے مال کی حفاظت کی غرض سے جزیہ لیا جاتا تھا۔

۵۔ ۱۸ سال سے لیکر ۸۰ سال تک کے لوگوں سے جزیہ لیا جاتا تھا۔

۶۔ ۱۸ سال سے کم اور ۸۰ سال سے زائد عمر کے لوگ اس جزیہ سے مستثنی تھے۔

روم میں جزیہ کی صورتحال:

بیزنطینی سلطنت جو کہ روم کا مشرقی حصہ تھا میں بھی جزیہ لوگوں پر لاگو تھا۔

ڈینل سی ڈینٹ اس حوالے سے لکھتا ہے:

''الپیاں کے مطابق (مشہور رومی قانون دان) یہ جزیہ ۱۴ سال سے ۶۵ سال کے مردوں اور ۱۲ سال سے ۶۵ سال کی عورتوں پر عائد کیا گیا تھا''۔ (2)

اس حوالے سے مزید ڈینل سی ڈینٹ لکھتا ہے کہ:

۱۔ ابن زید، حسن بن زید، رحلۃ السیرافی، المجمع الثقافی، ۱۹۹۹ء، ص: ۴۲

۲۔ جزیہ اور اسلام، ص: ۹۴

"یکا نیٹس کی ایک عبارت میں بتایا گیا ہے کہ یہ محصولِ سر بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور اپاہجوں سے ناجائز طریق پر وصول کیا جاتا تھا"۔[1]

اس سے ہمیں درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ جزیہ ۱۴ سے ۶۵ سال کے مردوں پر عائد کیا گیا تھا۔

۲۔ ۱۲ سے ۶۵ سال کی عورتوں پر عائد کیا گیا تھا۔

۳۔ بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور معذوروں سے بھی ناجائز طریقے سے وصول کیا جاتا تھا۔

۴۔ کوئی بھی اس جزیہ سے مستثنیٰ نہ تھا۔

ہندوستان میں جزیہ کی صورتحال:

ہندوستان میں جزیہ کے حوالے سے ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں کہ:

"جو بادشاہ کی حکومت زیادہ تر ویشوں پر تھی اس ذات کے لوگ کاشت کارتھے اور یہ بادشاہ کیلئے زمین جوتتے، بوتتے اور تجارت کرتے اور محصول سب بادشاہ کو پہنچتا تھا"[2]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محصول ویشوں سے لیا جاتا تھا جو کہ ہندوؤں کی نچلے درجے کی ذات تھی اور جو اعلیٰ درجے کی ذات تھی ان سے یہ محصول نہیں لیا جاتا تھا اگرچہ بادشاہ کو کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں:

"بادشاہ کو کسی سخت ضرورت ہو اور وہ مرتا بھی ہو تو اُسے برہمنوں سے محصول نہیں لینا چاہئے اور نہ ہی اپنے ملک کے کسی برہمن کو بھوک سے مرنے دینا چاہئے"[3]۔

اسی طرح مزید لکھتے ہیں:

"یہ محصول سال کی حالت کے مطابق بدلتا رہتا تھا۔ برے ہنگام میں زیادہ محصول لیا جاتا اور اچھے حالات میں کم، بیوپاریوں سے اچھے ہنگام میں صرف بارہواں حصہ غلہ کا اور بیسواں حصہ تجارتی منافع کا لیا جاتا ہے لیکن برے ہنگام میں آٹھواں حصہ بلکہ چوتھائی حصہ غلہ کا اور بیسواں حصہ تجارتی منافع کا لیا جاسکتا ہے اور شودروں اور مزدوروں سے بعوض مال مہینے

۱۔ جزیہ اور اسلام، ص: ۹۵

۲۔ لیبان، تمدن ہند، مترجم: سید علی بلگرامی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، ص: ۱۷۳

۳۔ تمدن ہند، ص: ۱۷۰

میں ایک دن کی مزدوری لی جائے گی"[1]۔

اس سے ہمیں درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ بیوپاریوں سے غلہ کا بارھواں حصہ اور تجارتی منافع سے بیسواں حصہ جبکہ برے ہنگام میں غلہ کا چوتھائی حصہ اور تجارتی منافع کا بیسواں حصہ۔

۲۔ شودر (جو ہندوؤں کی سب سے نچلے درجے کی ذات ہے) اور مزدوروں سے بھی یہ محصول لیا جاتا تھا اور اس کی صورت یہ ذکر کی کہ وہ مہینے میں صرف ایک دن کی مزدوری بادشاہ کو دیا کرتے تھے اور یہی مزدوری ان کا محصول ہوا کرتی تھی۔

اب اس محصول سے مستثنیٰ کون کون تھے؟ ان کے بارے میں ڈاکٹر لیبان رقمطراز ہیں:

"منو کا قانون باوجود سخت ہونے کے انسانیت سے خالی نہ تھا کیونکہ وہ اشخاص جو بالکل کام نہ کر سکتے تھے محصول سے مستثنیٰ تھے۔ اندھا، مخبوط الحواس، اپاہج، جو تختے کی مدد سے کام کرے، ستر برس کا بوڑھا اور وہ شخص جو برہمنوں کی خدمت کرے یہ سب شاہی محصول سے مستثنیٰ ہوں گے"۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اونچے طبقے والے اس جزیہ سے مستثنیٰ تھے، نچلے طبقے والوں پر، غریبوں پر اس کو لاگو کیا گیا تھا جو کما کر بادشاہ وقت کو جزیہ دیتے تھے اور اونچے طبقے والوں کو جہاں اس جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا وہاں ہر طرح سے اُن کو تحفظ فراہم کیا جاتا تھا۔ ان کا خیال رکھا جاتا تھا۔ کسی بھی صورت میں اُن سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اگرچہ بادشاہ کو کتنی ہی سخت ضرورت کیوں نہ ہوتی، ہمیشہ غریبوں پر ہی اس کو عائد کیا گیا۔ اور پھر اچھے حالات میں کم اور برے حالات میں زیادہ سے زیادہ بار ڈالا جاتا تھا۔

اسی طرح دیگر ممالک میں بھی جزیہ مختلف انداز سے لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ کسی میں تمام کے تمام لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا اور کسی میں کچھ سے لیا جاتا تھا اور کچھ مستثنیٰ قرار دیے جاتے تھے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور معذوروں سے وصول کیا جاتا تھا جبکہ اُونچے گھرانے کے لوگوں، امراء اور بادشاہوں کو مستثنیٰ قرار دیا جاتا تھا۔

۱۔ تمدن ہند، ص: ۱۷۵

۲۔ ایضاً ص: ۱۸۳

فصل سوم
خیر القرون میں جزیہ کی صورتیں

فصل سوم

خیر القرون میں جزیہ کی صورتیں

اسلام سے قبل جزیہ کے احوال کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں یہ بات بالکل واضح کی جاچکی ہے کہ مختلف ممالک میں یہ نظام رائج تھا اسلام نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ دونوں میں درج ذیل فرق تھا۔

اسلام سے قبل مغلوب اقوام کے استحصال کے لیے ان پر جزیہ عائد کیا جاتا تھا اور جزیہ کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ اس کو ادا کرنا ان کے بس سے باہر ہوتا تھا۔ جبکہ اسلام نے مفتوح اقوام پر جو جزیہ عائد کیا اس سے ماتحت لوگوں کا استحصال کرنا نہ تھا۔ اسلام نے مفتوح اقوام سے بہت معمولی مقدار میں جزیہ وصول کیا۔ تین طبقات بنا دیے اور تینوں طبقات سے الگ الگ مقدار میں جزیہ وصول کیا۔

۱۔ مالداروں پر سالانہ ۴۸ درہم، ماہانہ ۴ درہم

۲۔ درمیانے درجے کے لوگوں پر سالانہ ۲۴ درہم، ماہانہ ۲ درہم

۳۔ فقیروں یعنی تنگ دست لوگوں پر سالانہ ۱۲ درہم، ماہانہ ۱ درہم

اور اسی طرح وہ لوگ جو کوئی کام کاج نہ کر سکتے تھے مثلاً معذور، نابینا، بوڑھے لوگ وغیرہ ان کو جزیہ بالکل معاف کر دیا جاتا تھا۔

اسلام سے پہلے غالب اقوام مغلوب اقوام کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے فقراء و مساکین کا بھی کوئی حق نہ تھا، ان سے ناقابل برداشت حد تک جزیہ لیا جاتا تھا اور ان کے محتاج لوگوں کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ اس کے برعکس اسلام نے تمام ذمیوں کو خواہ وہ جزیہ دیتا ہو یا کسی سبب کی وجہ سے جزیہ نہ دیتا ہو تحفظ فراہم کیا، ذمیوں کو بھی اسلامی مملکت کی رعایا سمجھا، انہیں بھی پُرامن زندگی گزارنے کے لیے، اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اور آزادی کی زندگی گزارنے کے لیے تحفظ اور امن فراہم کیا۔

عہدِ نبوی:

الغرض اسلام کے نظام جزیہ کے حوالے سے دیکھتے ہیں کہ جب آیتِ جزیہ نازل ہوئی تو سب سے پہلے جن سے جزیہ وصول کیا گیا نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کا اس حوالے سے طرز عمل درج ذیل ہے۔

امام قاسم بن سلام لکھتے ہیں:

ابن شہاب کہتے ہیں: "أول من أعطى الجزية أهل نجران وكانوا نصارى".(1)

۱۔ کتاب الاموال، ص: ۳۵

سب سے پہلے جس نے جزیہ دیا وہ اہل نجران ہیں جو نصاری تھے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فلما نزلت آية الجزية أخذها من المجوس وأخذها من أهل الكتاب وأخذها من النصارى". (1)

جب آیت جزیہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے مجوسیوں، اہل کتاب اور نصاری سے جزیہ وصول کیا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو جب اسلام کی دعوت کیلئے خط لکھا تو حاکم بحرین منذر بن ساوی کو بھی اسلام کی دعوت کیلئے خط لکھا، اس خط کی پوری تفصیل محمد بن سید الناس رحمہ اللہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ:

"بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ الْعَلاءَ بْنَ الْحَضْرَمِي إِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوِي، وَكتب إِلَيْهِ رَسُول اللَّهِ كِتَابًا يَدْعُوهُ فِيهِ إِلَى الإِسْلامِ، فَكتب الْمُنْذِرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ، أَمَّا بَعْدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: فَإِنِّي قَرَأْتُ كِتَابَكَ عَلَى أَهْلِ الْبَحْرَيْنِ، فَمِنْهُمْ مَنْ أَحَبَّ الإِسْلامَ وَأَعْجَبَهُ وَدَخَلَ فِيهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ كَرِهَهُ، وَ بِأَرْضِي مَجُوسٌ وَيَهُودُ، فَأَحْدِثْ إِلَى فِي ذَلِكَ أَمْرَكَ".

اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی کی طرف خط دیکر بھیجا جس خط میں منذر بن ساوی کو اسلام کی طرف دعوت دی گئی تھی، منذر بن ساوی نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا اور کہا: اللہ کی حمد وثناء کے بعد، اے اللہ کے رسول میں نے بحرین کے باسیوں کو آپ کا خط پڑھ کر سُنایا، ان لوگوں میں سے بعض نے اسلام کو محبت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اسلام میں داخل ہوگئے، جبکہ بعض لوگوں نے پسند نہیں کیا اور میری مملکت میں مجوسی بھی رہتے ہیں اور یہودی بھی رہتے ہیں، آپ ﷺ ان کے بارے میں حکم صادر فرمائیے کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟

فكتب إليه رسول الله.

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس (منذر بن ساوی) کو خط لکھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

۱۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، زادالمعاد فی ہدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴م، الطبعۃ السابعۃ والعشرون، ۱۳۷/۳

"من محمد رسول اللَّهِ إِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوِي، سَلامٌ عَلَيْكَ، فَإِنِّى أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهَ الَّذِى لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، وَأَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّى أُذَكِّرُكَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَنْصَحُ فَإِنَّمَا يَنْصَحُ لِنَفْسِهِ، فَإِنَّهُ مَنْ يُطِعْ رُسُلِى وَيَتَّبِعْ أَمْرَهُمْ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ نَصَحَ لَهُمْ فَقَدْ نَصَحَ لِي، وَإِنَّ رُسُلِى قَدْ أَثْنَوْا عَلَيْكَ خَيْرًا، وَإِنِّى قَدْ شَفَعْتُكَ فِى قَوْمِكَ، فَاتْرُكْ لِلْمُسْلِمِينَ مَا أَسْلَمُوا عَلَيْهِ، وَعَفَوْتُ عَنْ أَهْلِ الذُّنُوبِ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَإِنَّكَ مَهْمَا تُصْلِحُ فَلَنْ نَعْزِلَكَ عَنْ عَمَلِكَ، وَمَنْ أَقَامَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ أَوْ مَجُوسِيَّةٍ فَعَلَيْهِ الْجِزْيَةُ". (1)

اللہ کے نام کیساتھ جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام، تم پر سلامتی ہو، میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کا بندہ اور رسول ہے، اللہ کی حمد وثناء کے بعد، میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں، جو شخص بھی نصیحت قبول کرتا ہے وہ دراصل اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے جو شخص میرے نمائندوں کی اطاعت کرے گا اور ان کے احکامات کی پیروی کرے گا وہ حقیقت میں میری پیروی کرے گا اور جو شخص ان نمائندوں کے ساتھ خیر خواہی کرے گا تو وہ میرے ساتھ خیر خواہی کرے گا، میرے نمائندوں نے آپ کے طرز عمل کی بہت تعریف کی ہے اور میں تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کرلی ہے، لہذا مسلمان جس حال میں بھی اسلام لائے ہیں انہیں اس پر چھوڑ دو، میں نے قصورواروں کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے، آپ بھی ان کی معذرت قبول کر لیجئے اور جب تک آپ اصلاحی طرز عمل اختیار کئے رکھیں گے ہم آپ کو آپ کی ذمہ داریوں سے ہرگز معزول نہ کریں گے اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس سے جزیہ لیا جائے۔

اسی طرح محمد بن عمر الاسلمی بیان کرتے ہیں:

۱۔ ابن سید الناس، محمد بن محمد، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، دار القلم، بیروت، ۱۴۱۴/۱۹۹۳ الطبعۃ الاولی، ۳۳۴/۲

"وَقدِمَ يُحَنَّةُ بْنُ رُوبَةَ عَلَى النَّبِى وَكَانَ مَلِكَ أَيْلَةَ، وَأَشْفَقَ أَنْ يَبْعَثَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ كَمَا بَعَثَ إِلَى أُكَيْدِرَ وَأَقْبَلَ وَمَعَهُ أَهْلُ الشَّامِ وَأَهْلُ الْيَمَنِ وَأَهْلُ الْبَحْرِ وَمِنْ جَرْبَا وَأَذْرُحَ فَأَتَوْهُ فَصَالَحَهُمْ وَقَطَعَ عَلَيْهِمْ جِزْيَةً مَعْلُومَةً". (1)

یحنہ بن روبہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور یہ ایلہ کے بادشاہ تھے اور انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں نبی کریم ﷺ ان کے پاس بھی لشکر نہ بھیج دیں جس طرح آپ نے اکیدر کے پاس بھیجا تھا، یحنہ بن روبہ آئے تو ان کے ہمراہ اہل شام، اہل یمن، اہل بحر بھی تھے اور کچھ لوگ جربا اور اذرح کے بھی تھے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے مصالحت فرمائی ایک معینہ جزیہ مقرر فرمادیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل ایلہ اور دیگر علاقوں کے لوگوں سے مصالحت کرلی تھی اور ان پر ایک خاص مقدار میں جزیہ مقرر کردیا تھا اور وہ مقدار مزید آگے اس طرح سے بیان کی گئی۔

"وَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ الْجِزْيَةَ عَلَى أَهْلِ أَيْلَةَ ثَلَاثَمِائَةِ دِينَارٍ كُلَّ سَنَةٍ، وَكَانُوا ثَلَاثَمِائَةِ رَجُلٍ". (2)

نبی کریم ﷺ نے اہل ایلہ پر جو 360 تھے تین سو دینار سالانہ جزیہ مقرر فرمایا تھا۔

اسی طرح اہل جربا اور اذرح کے حوالے سے بیان کیا۔

"قَالَ محمد بن عمر: وَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ - لِأَهْلِ جَرْبَا وَأَذْرُحَ: «هَذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِى لِأَهْلِ جَرْبَا وَأَذْرُحَ أَنَّهُمْ آمِنُونَ بِأَمَانِ اللهِ وَأَمَانِ مُحَمَّدٍ وَأَنَّ عَلَيْهِمْ مِائَةَ دِينَارٍ فِى كُلِّ رَجَبٍ وَافِيَةً طَيِّبَةً وَاللهُ كَفِيلٌ عَلَيْهِمْ» قَالَ: وَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ لِأَهْلِ مَقْنَا «أَنَّهُمْ آمِنُونَ بِأَمَانِ اللهِ وَأَمَانِ مُحَمَّدٍ وَأَنَّ عَلَيْهِمْ رُبُعَ غُزُولِهِمْ وَرُبُعَ ثِمَارِهِمْ". (3)

محمد بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل جربا اور اذرح کیلئے تحریر فرمایا کہ یہ فرمان محمد ﷺ کی جانب سے اہل جربا اور اذرح کیلئے ہے کہ یہ لوگ اللہ کی امان میں ہیں اور محمد ﷺ کی امان میں ہیں ان کے ذمے ہر رجب سو دینار ہیں جو اچھے اور پورے ہیں اور اللہ ان

۱۔ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰م، الطبعۃ الاولی ۱/۲۲۰

۲۔ ایضا

۳۔ ایضا

کا کفیل ہے۔ محمد بن عمر نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اہل مقنا کیلئے تحریر فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کی امان میں ہیں اور نبی کریم ﷺ کی امان میں ہیں۔ ان پر (بطور جزیہ) ان کے کاتے ہوئے سوت اور کپڑے کا اور ان کے پھلوں کا چوتھائی حصہ ہے۔

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ: وَأَهْلُ مَقْنَا يَهُودٌ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ، وَأَهْلُ جَرْبَا وَأَذْرُحَ يَهُودٌ أَيْضًا". [1]

محمد بن عمر کہتے ہیں کہ اہل مقنا یہودی تھے جو ساحل سمندر پر رہتے تھے، اور اہل جربا اور اذرح بھی یہودی تھے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ

(۱) نبی کریم ﷺ نے چار علاقوں کے لوگوں کے ساتھ مصالحت کی۔ اہل ایلہ، اہل بحر جو اہل مقنا کے نام سے بھی معروف ہیں، اہل جربا اور اذرح کے رہنے والوں کے ساتھ اور یہ تمام لوگ یہودی تھے۔

(۲) اہل ایلہ کے ساتھ ۳۰۰ دینار سالانہ بطور جزیہ مصالحت کی۔

(۳) اہل جرباء اور اذرح کے ساتھ ۱۰۰ دینار سالانہ بطور جزیہ مصالحت کی۔

(۴) اہل مقنا کے ساتھ وہاں کا رائج کپڑے کا کاتا ہوا سوت اور پھلوں کے چوتھائی حصے پر بطور جزیہ مصالحت کی۔

(۵) نبی ﷺ کے عمل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے نصاریٰ، یہودی اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔

(۶) جزیہ نقدی یا جس صورت میں بھی ممکن ہو وہاں کے رہنے والوں کو جس چیز میں جزیہ دینا آسان ہو مثلاً نقدی، کپڑے اور پھل وغیرہ میں لیا جا سکتا ہے۔

اور پھر یہی وہ ایلہ کا حاکم تھا جس نے نبی کریم ﷺ کو ایک سفید خچر تحفہ میں بھیجا تھا اور پھر آپ ﷺ نے بھی اسے ایک چادر دی، جیسا کہ صحیح بخاری میں آتا ہے۔

عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: "غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ تَبُوكَ وَأَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ بَغْلَةً بَيْضَاءَ، وَكَسَاهُ بُرْدًا، وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ". [2]

۱۔ طبقات الکبریٰ، ۱/۲۲۰

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب: إذا وادع الإمام ملک القریۃ ہل یکون ذلک لبقیتہم، رقم الحدیث: ۳۱۶۱

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم غزوہ تبوک میں شریک تھے، ایلہ کے حاکم نے نبی کریم ﷺ کو ایک سفید خچر بھیجا اور آپ ﷺ نے اسے ایک چادر بطور خلعت کے اور ایک تحریر کے ذریعے اس کے ملک پر اسے ہی حاکم باقی رکھا۔

طبقات ابن سعد میں روایت اس طرح سے آتی ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى يُحَنَّةَ بْنِ رُوبَةَ يَوْمَ أَتَى النَّبِي صَلِيبًا مِنْ ذَهَبٍ وَهُوَ مَعْقُودُ النَّاصِيَةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولَ اللَّهِ كَفَّرَ وَأَوْمَأَ بِرَأْسِهِ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ أَنِ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَصَالَحَهُ يَوْمَئِذٍ وَكَسَاهُ رَسُولُ اللَّهِ بُرْدًا يَمَنِيَّةً.(1)

حضرت عبدالرحمن بن جابر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: کہ جس روز یحنہ بن روبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے ان کے بدن پر سونے کی صلیب دیکھی جو ان کی پیشانی پر بندھی ہوئی تھی جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو دست بستہ کھڑے ہو گئے اور اپنے سر سے اشارہ کیا، نبی کریم ﷺ نے اشارے سے فرمایا کہ اپنا سر اٹھاؤ اور اسی روز آپ ﷺ نے ان سے مصالحت کر لی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک یمنی چادر اُڑھادی۔

عہد صدیقی

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ابن صلوبا اور اس کے ارد گرد، اہل حیرہ اور اہل فارس کے ساتھ معاہدات ہوئے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ابن صلوبا اور اس کے ارد گرد کے علاقوں کے ساتھ معاہدہ:

عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ كَتَبَ إِلَى خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ يَأْمُرُهُ أَنْ يَسِيرَ إِلَى الْعِرَاقِ، فَمَضَى خَالِدٌ يُرِيدُ الْعِرَاقَ، حَتَّى نَزَلَ بِقَرْيَاتٍ مِنَ السَّوَادِ، يُقَالُ لَهَا: بَانِقْيَا وَبَارُوسْمَا وأُلَيْسَ، فَصَالَحَهُ أَهْلُهَا، وَكَانَ الَّذِى صَالَحَهُ عَلَيْهَا ابْنُ صَلُوبَا، وَذَلِكَ فِى سَنَةِ اثْنَتَى عَشَرَةَ، فَقَبِلَ مِنْهُمْ خالد الجزية وَكَتَبَ لَهُمْ كِتَابًا فِيهِ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ لابْنِ صَلُوبَا السَّوَادِيّ- وَمَنْزِلُهُ بِشَاطِئِ الْفُرَاتِ- إِنَّكَ

۱۔ طبقات الکبری، ۱/۲۹۰

آمِنٌ بِأَمَانِ اللَّهِ- إِذْ حَقَنَ دَمَهُ بِإِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ- وَقَدْ أَعْطَيْتَ عَنْ نَفْسِكَ وَعَنْ أَهْلِ خَرْجِكَ وَجَزِيرَتِكَ وَمَنْ كَانَ فِي قَرْيَتَيْكَ- بَانِقْيَا وَبَارُوسْمَا- أَلْفَ دِرْهَمٍ، فَقَبِلْتُهَا مِنْكَ، وَرَضِيَ مَنْ مَعِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ بِهَا مِنْكَ، وَلَكَ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى ذَلِكَ وَشَهِدَ هِشَامُ بْنُ الْوَلِيدِ.(1)

ترجمہ: صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراق جانے کا حکم دیا۔ خالد رضی اللہ عنہ عراق روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر سوا کی بستیوں بانقیا، باروسما اور اُلیس میں اُترے۔ یہاں کے باشندوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ آپ سے یہ مصالحت ابن صلوبا نے کی تھی۔ یہ ۱۲ ہجری کا واقعہ ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے جزیہ قبول کر لیا اور درج ذیل تحریر ان کو لکھ دی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابن صلوبا سوادی جو کہ فراحت کے ساحل کا باشندہ ہے اس کے حق میں لکھا جاتا ہے چونکہ تم نے جزیہ دے کر جان بچائی ہے اس لیے تم کو اللہ کی امان دی جاتی ہے تم نے جزیہ کی یہ رقم ایک ہزار درہم اپنی طرف سے اور اپنے خراج دہندوں اور جزیرے اور بانقیا، باروسما کے باشندوں کی طرف سے ادا کی ہے۔ میں اس کو قبول کرتا ہوں۔ میرے ساتھ کے تمام مسلمان اس پر تم سے خوش ہیں۔ آج سے تم کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کی حفاظت میں لیا جاتا ہے۔ ہشام بن ولید نے اپنی گواہی کے اس پر دستخط کیے۔

اہل حیرہ کے ساتھ معاہدہ

جب حضرت خالد بن ولید یہاں سے فارغ ہوئے تو اہل حیرہ کی طرف رخ کیا۔ اہل حیرہ کے ساتھ معاہدہ کیا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

یہ عہد نامہ جو خالد بن ولید نے عدی، عمرو بن عدی، عمرو بن عبد المسیح، ایاس بن قبیصہ اور حیری بن اکال سے کیا ہے۔ یہ حیرہ والوں کے سردار ہیں اور حیرہ والے اس معاہدے سے راضی ہیں۔ انہیں اس کا حکم دیا ہے اور ان سے ایک لاکھ نوے ہزار درہم پر معاہدہ کیا ہے جو

۱۔ تاریخ الرسل والملوک، ۳/۳۴۳-۳۴۴

ہر سال ان سے اس حفاظت کے عوض وصول کیا جائے گا جو دنیاوی مال ومتاع ان کے قبضہ میں ہے، خواہ راہب ہوں یا پادری لیکن جن کے پاس کچھ بھی نہیں دنیا سے الگ ہیں اس کو چھوڑ چکے ہیں اور محفوظ ہیں اور اگر ان کی حفاظت کی ضرورت نہیں تو ان پر کوئی جزیہ نہیں یہاں تک کے ان کی حفاظت کی جائے اگر انہوں نے اپنے کسی فعل یا قول کے ذریعہ سے غداری کی کو ذمہ ان سے بری ہے۔[1]

یہ معاہدہ ربیع الاول ۱۲ ہجری میں لکھا گیا۔

(۱) حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق کی بستیوں، بانقیا، اُلیس اور اس کے ارد گرد کے باسیوں سے ہزار درہم پر بطور جزیہ مصالحت کی۔

(۲) حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ کے لوگوں کے ساتھ ایک لاکھ نوے ہزار درہم پر بطور جزیہ مصالحت کی۔

(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر علاقہ سے اس کے رہنے والوں سے ان کی طاقت کے مطابق جزیہ وصول کیا گیا۔

عہدِ فاروقی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس دور میں جزیہ کے نظام کو ترقی ملی، اس ترقی کے حوالے سے ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی لکھتے ہیں کہ:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جزیہ کے نظام کو ترقی ملی، آبادی کے اعداد و شمار تیار ہوئے، مال دار، فقراء اور متوسط طبقے کے لوگوں میں تفریق کی گئی اور دیگر بہت سی ایسی شرائط اور پابندیاں سامنے آئیں جن کا پہلے وجود نہ تھا۔ ایسا اس وجہ سے ہوا کہ آبادی بڑھ گئی اور اسلامی حکومت کا دائرہ مصر، شام اور عراق تک وسیع ہو گیا۔ نیز دیگر اقوام کے ساتھ مسلمانوں کا ملنا جلنا اور ان کی تہذیب و ثقافت سے صبح و شام تعلق رکھنا یہ ایسی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے وہ لوگ کافی حد تک ملکی سیاست، آباد کاری کے اصول اور تعمیر و ترقی کے نظام سے آشنا ہو گئے تھے اور پھر انہیں ضروریات کی تکمیل کے لیے انہوں نے سڑکوں کی اصلاح اور پُل کی تعمیر جیسی بہت سی چیزیں ایجاد کیں جو پہلے موجود نہ تھیں کیونکہ یہی چیزیں

۱۔ تاریخ الرسل والملوک، ۳/۳۶۴

ترقی یافتہ اقوام کی زندگی میں اصل معاون ہیں۔[1]

اس سے معلوم ہوا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی حکومت کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا آبادی بہت بڑھ گئی تھی دیگر اقوام کے ساتھ ملنا اور ان کی تہذیب و ثقافت کے ساتھ تعلق رکھا گیا اور پھر انہی دیگر اقوام کے لوگوں کے ساتھ جو معاہدات کئے گئے ان کے ذمے کیا کام لگائے گئے وہ ہمیں درج ذیل واقعات سے پتہ چلتا ہے۔

جب نہاوند فتح ہوا تو دو آبی چشموں یعنی چشمہ بہر ذان اور چشمہ دینار کے لوگ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور نعمان بن مقرن کے پاس آئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ جزیہ کے بدلے انہیں ایمان دی جائے تو نعمان بن مقرن نے چشمہ بہر ذان کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ کیا اور حذیفہ بن یمان نے چشمہ دینار کے لوگوں سے معاہدہ کیا۔

نعمان بن مقرن کا چشمہ بہر ذان کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''نعمان بن مقرن کی طرف سے چشمہ بہر ذان کے لوگوں کے لیے یہ عہد نامہ ہے۔

نعمان بن مقرن نے ان کے جان و مال اور زمینوں کو امان دی ہے۔ یہ لوگ تبدیلی مذہب پر مجبور نہ کیے جائیں گے، ان کو اپنی شریعت پر عمل کرنے میں آزادی ہوگی، ان کا ہر بالغ فرد اپنی طاقت کے مطابق ہر سال اپنے مسلم حکمران کو جب تک جزیہ ادا کرتا رہے گا اسے پوری طرح حفظ و امان حاصل ہوگا۔ یہ لوگ بھٹکے لوگوں کو راستہ دکھائیں گے، سڑکوں اور راستوں کی اصلاح خود کریں گے، جو مسلمان فوجی ان کے پاس سے گزریں یا ان کے پاس ٹھہریں گے یہ لوگ ان کی مہمان نوازی کریں گے اور مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے لیکن اگر دھوکا دیا اور عہد نامہ کو بدل دیا تو ہمارا معاہدہ ان سے ختم ہوا''۔

یہ معاہدہ محرم ۱۹ ہجری میں لکھا گیا۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے چشمہ دینار کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ

۱۔ الصلابی، علی محمد، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے، مترجم: شمیم احمد خلیل، عبدالمعین بن عبدالوہاب مدنی، مکتبہ الفرقان، ص: ۴۱۴-۴۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے چشمہ دینار کے لوگوں کے لیے یہ عہد نامہ ہے۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ان کے جان و مال اور زمینوں کو امان دے دی ہے۔ یہ لوگ تبدیلی مذہب پر مجبور نہ کیے جائیں گے، ان کو اپنی شریعت پر عمل کرنے میں آزادی ہو گی، ان کا ہر بالغ فرد اپنی طاقت کے مطابق ہر سال اپنے مسلم حکمران کو جب تک جزیہ ادا کرتا رہے گا اسے پوری طرح حفظ و امان حاصل ہو گا۔ یہ لوگ بھٹکے لوگوں کو راستہ دکھائیں گے، سڑکوں اور راستوں کی اصلاح خود کریں گے، جو مسلمان فوجی ان کے پاس سے گزریں یا ان کے پاس ٹھہریں گے یہ لوگ ان کی مہمان نوازی کریں گے اور مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے لیکن اگر دھوکا دیا اور عہد نامہ کو بدل دیا تو ہمارا معاہدہ ان سے ختم ہوا''۔

اس عہد نامہ پر قعقاع بن عمرو، نعیم بن مقرن اور سوید بن مقرن نے گواہی دی اور یہ معاہدہ محرم میں لکھا گیا۔[1]

اسی طرح عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے رہاوالوں سے بھی معاہدہ کیا جو کہ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''یہ عہد نامہ عیاض بن غنم کی طرف سے رہا کے پادریوں کے لیے ہے، اگر تم نے میرے لیے شہروں کے دروازے کھولے اور یہ اقرار کیا کہ ہر آدمی کی طرف سے بطور جزیہ ایک دینار اور دو مد گیہوں دو گے تو تم اور جو تمہارے ساتھ ہیں سب کی جان و مال کو امان ہے تمہارے لیے ضروری ہے کہ بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھاؤ گے پلوں اور سڑکوں کی تعمیر کرو گے مسلمانوں کے خیر خواہ رہو گے اور اللہ گواہی کے لیے کافی ہے''۔[2]

ان تینوں معاہدوں سے ہمیں درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

1۔ ان لوگوں کو تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

2۔ انہیں اپنی شریعت پر عمل کرنے میں آزادی ہو گی۔

3۔ جب تک جزیہ ادا کرتے رہیں گے مکمل طور پر پُرامن رہیں گے۔

۱۔ تاریخ الرسل والملوک، ۱۳۶/۴-۱۳۷

۲۔ العظم، رفیق، اشہر مشاہیر الاسلام فی الحروب والسیاسۃ، مطبعۃ امین ہندیۃ بمصر، ۱۳۴۰ھ-۱۹۲۱ء، ۳۴۶/۱

4۔ یہ لوگ بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھائیں گے۔

5۔ سڑکوں کی مرمت خود کریں گے۔

6۔ راستوں کو خود سے ٹھیک کریں گے۔

7۔ مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر رہیں گے۔

8۔ اگر کوئی مسلمان ان کے پاس ٹھہرے گا تو ایک دن اور ایک رات اس کی مہمان نوازی کرنے کے پابند رہیں گے

9۔ دھوکا دہی یا معاہدہ کو بدل دینے پر ہمارا ان سے معاہدہ ختم ہو گا۔

عہدِ عثمانی

نبی ﷺ نے اہل نجران کو چند شرائط کی بنیاد پر نجران ہی میں رہنے دیا اور ان شرائط اور جزیے کی مقدار کی ایک دستاویز تحریر کر کے انھیں دے دی۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد وہ سیدنا ابو بکر صدیق ﷺ کے پاس معاہدے کی تجدید کے لیے آئے تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق نئی دستاویز تیار کر دی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو وہ پھر معاہدے کی تجدید کے لیے آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کسی خطرے کے پیش نظر یمن کے نجران سے جلاوطن کر کے عراق کے نجران میں آباد ہونے کا حکم دیا اور انہیں دستاویز بھی لکھ دی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ سیدنا عثمان کے پاس آئے تو آپ نے اپنے گورنر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے نام درج ذیل خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"اللہ کے بندے امیر المؤمنین عثمان غنی کی طرف سے ولید بن عقبہ کی طرف۔ تجھ پر اللہ تعالٰی کی طرف سے سلامتی ہو۔ سب سے پہلے اللہ وحدہ لاشریک کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں، اما بعد! پادری، اس کا نائب اور اہل نجران کے سردار میرے پاس آئے۔ انھوں نے مجھ سے شکایت کی اور مجھے عمر رضی اللہ عنہ کی لکھی ہوئی شرائط بھی دکھائیں۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہوا کہ کچھ مسلمانوں کی طرف سے انھی اذیت پہنچی ہے۔ میں نے اللہ کے لیے ان کے جزیے سے تیس حلوں (سوٹوں) کی تخفیف کر دی ہے اور انھیں وہ ساری زمین دے دی ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کی زمین کے بدلے انھیں صدقہ کی تھی۔ یہ ذمی ہیں۔ میری ان سے جان پہچان بھی ہے، لہٰذا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے

ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویز دیکھ کر اس کے مطابق انھیں پورے حقوق دینا اور دستاویز پڑھ پڑھ کر انھیں واپس کر دینا۔ والسلام''۔(1)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عہد کی پاسداری کی۔ اور یہ روز اول ہی سے اسلام کی خوبی رہی ہے کہ جس نے کوئی معاہدہ یا کوئی معاملہ کیا اسے بہر حال پورا کیا ہے۔

آپ نے ان کے جزیے میں تخفیف کر دی لیکن زمین پوری دے دی اور اپنے گورنر سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دستاویز کے مطابق انھیں پورے حقوق دینا کیونکہ یہ ذمی لوگ ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے اسکندریہ کو دوسری مرتبہ فتح کیا تو "اخنا" کا گورنر "طلما" سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں جزیے کے متعلق بتائیں تاکہ ہم اس کی پابندی کر سکیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "تم ہمارے لیے ایک خزانے کی حیثیت رکھتے ہو، اگر ہم پر اخراجات کا بوجھ زیادہ پڑے گا تو ہم تم پر زیادہ بوجھ ڈالیں گے اور اگر ہم پر بوجھ کم ہوا تو تم پر بھی کم بوجھ ڈالیں گے"۔ یہ سن کر اخنا کے گورنر کو غصہ آگیا۔ وہ رومیوں کے پاس گیا اور انھیں مسلمانوں کے خلاف چڑھا لایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں شکست دی طلما کو گرفتار کر کے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے قتل کر دیجیے، تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں"۔ کہتے ہیں کہ جب اسے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے اس کی قوم کا سردار بنا دیا اور ارجوان کا خوبصورت کرتا پہنا کر فرمایا: اس طرح کا جزیہ ادا کرنا۔ وہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ "طلما" سے پوچھا گیا کہ اگر تو روم کے بادشاہ کے پاس جائے تو تیرا انجام کیا ہوگا؟ اس نے کہا: ''وہ مجھے قتل کر دے گا اور کہے گا کہ تو میرے فوجیوں کا قاتل ہے۔''(2)

اس حوالے سے قطب ابراہیم لکھتے ہیں کہ

''جب ہم سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اس قول ''تم ہمارے لیے خزانے کی حیثیت رکھتے ہو" کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت

۱۔ کتاب الخراج، مترجم، ص: ۲۱۵

۲۔ ابن عبد الحکم، عبد الرحمان، فتوح مصر واخبارھا، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶م، ص: ۱۰۲

میں دوسرے ادوار کی نسبت مالی پالیسی کے اصول درج ذیل تھے:

اہل ذمہ بھی جزیہ ادا کرنے کی صورت میں بیت المال کی ترقی میں معاون تھے بلکہ بیت المال کے لیے وہ ایک خزانے کی حیثیت رکھتے تھے جس سے بیت المال جزیے کی صورت میں اپنا حصہ وصول کرتا تھا۔

ذمیوں کا جزیہ مملکتِ اسلامیہ کے حالات کے پیشِ نظر طے پاتا تھا، یعنی اگر مملکتِ اسلامیہ کے اخراجات بڑھ جاتے تو جزیے کی مالیت میں اضافہ ہو جاتا۔ اگر اخراجات کم ہوتے تو جزیے کی شرح بھی کم ہو جاتی۔

جزیے کی کمی بیشی کی بنیادی وجہ یہ اصول تھا کہ سلطنت کے اخراجات برداشت کرنے میں سلطنت کے تمام باشندے چاہے وہ مسلمان ہوں یا ذمی، برابر کے شریک ہیں، وہ اس طرح کہ ہر آدمی اپنی طاقت اور انصاف کے مطابق اس میں حصہ ڈالے گا۔ آپ ﷺ نے اہل ذمہ کے بارے میں جو وصیتیں فرمائی تھیں ان کا بھی یہی تقاضا تھا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔''(1)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جزیہ ان غیر مسلموں پر انعام ہے اسی طرح یہ جزیہ مسلمانوں کے لیے بھی ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اسی جزیہ سے ملک کے رفاہ عامہ کے کام کیے جائیں گے جس سے مسلمان بھی فائدہ اٹھا سکیں گے اور غیر مسلم بھی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

عہدِ علوی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کچھ خاص تبدیلی نہیں آئی۔ جو معاہدات اور شرائط طے تھیں اُنہیں پر عمل در آمد ہوتا رہا۔ امام ابو عبید رحمہ اللہ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر کاریگر سے جزیہ لیا کرتے تھے۔ سوئی والے سے سوئیاں لیتے، سان والے سے سان، رسی والے سے رسی۔ پھر قبائل کے سرداروں کو بلاتے اور انہیں سونا چاندی دے دیتے جسے وہ کہتے ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر وہ کہتے تم نے عمدہ مال

ا۔ ابراہیم، قطب، السیاسۃ المالیۃ لعثمان بن عفان، الھیئۃ المصریۃ العامۃ الکتاب، ۱۹۸۴، ص: ۱۰۷

لے لیا اور بُرا مال میرے پاس چھوڑ دیا ایسا نہیں ہو سکتا تمہیں یہ بھی اٹھانا پڑے گا''۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کے لیے آسانی کی ہوئی تھی کہ جس کو جزیہ جس بھی مد میں دینا ہے وہ دے۔ جس کو جس میں آسانی ہے وہ اسی مد میں ادا کرے اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جزیہ نقدی کے علاوہ کسی اور صورت میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ ان لوگوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے جو کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے کیونکہ کاریگر سے جزیہ لینا اس بات پر دلیل ہے کہ جو لوگ کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ان سے جزیہ نہیں لیا گیا۔

۱۔ کتاب الاموال، مترجم، ص: ۱۶۶

باب دوم

جزیہ کی شرائط، احکام واسباب

فصل اول

جزیہ کی شرائط و حکمتیں

فصل اول

جزیہ کی شرائط و حکمتیں

جزیہ کی شرائط

جزیہ کی شرائط میں سے کچھ شرائط ایسی ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے اور کچھ شرائط ایسی ہیں جن میں بعض فقہاء سے اختلاف مروی ہے۔

اتفاقی شرائط درج ذیل ہیں۔

(1) بلوغت (2) عاقل

(3) مرد (4) آزاد

اختلافی شرائط

(1) مالی قدرت

(2) اپاہج کرنے والی بیماریوں سے محفوظ ہونا

(3) گرجا گھر میں عبادت کرنا والا راہب نہ ہو۔

اتفاقی شرائط

ا۔ بلوغت

جزیہ کی شرائط میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ بالغ پر جزیہ عائد ہوگا۔

امام ابن قدامہ کہتے ہیں:

"لَا نَعْلَمُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ خِلَافًا فِي هَذَا وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ وَأَبُو حَنِيفَةَ أَصْحَابُهُ وَالشَّافِعِي وَأَبُو ثَوْرٍ". (1)

ہمارے علم کے مطابق اہل علم کے درمیان اس میں اختلاف نہیں یہی امام ابو حنیفہ اور انکے ساتھیوں اور امام شافعی اور ابو ثور رحمہم اللہ کا ہے۔

ا۔ المغنی، ۳۳۸/۹

امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"فَلَا تَجِبُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ وَالْمَجَانِينِ؛ لِأَنَّ اللَّهَ - سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى - أَوْجَبَ الْجِزْيَةَ عَلَى مَنْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿قَـٰتِلُواْ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ﴾[1] الْآيَةَ وَالْمُقَاتَلَةُ مُفَاعَلَةٌ مِنْ الْقِتَالِ فَتَسْتَدْعِي أَهْلِيَّةَ الْقِتَالِ مِنْ الْجَانِبَيْنِ، فَلَا تَجِبُ عَلَى مَنْ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ، وَهَؤُلَاءِ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ فَلَا تَجِبُ عَلَيْهِمْ".[2]

ترجمہ: "بچوں، عورتوں اور پاگل افراد پر جزیہ واجب نہیں ہوتا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جزیہ اس شخص پر واجب کیا ہے جو اہل قتال میں سے ہو ارشاد باری تعالی ہے (ان لوگوں سے قتال کرو جو نہ اللہ پر ایمان لائے اور نہ آخرت کے دن پر ایمان لائے) اور مقاتلہ مفاعلہ کے وزن پر قتال سے ہے جسکا تقاضا یہ ہے کہ دونوں جانب قتال کی اہلیت ہو لہذا جو قتال کے اہل نہ ہو اس پر جزیہ واجب نہ ہوگا اور یہ (بچے عورتیں اور پاگل) قتال کے اہل نہیں ہیں اس لئے ان پر جزیہ واجب نہیں ہوگا"۔

اسی طرح اس آیت کے تحت امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وهذا إجماع من العلماء على أن الجزية إنما توضع على جماجم الرجال الأحرار البالغين".[3]

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جزیہ آزاد بالغ مردوں کے سروں پر لگایا جاتا ہے۔

اسی طرح جب نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑا وصول کرو۔

"عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ يَعْنِي مُحْتَلِمًا دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مِنَ الْمَعَافِرِيِّ ثِيَابٌ تَكُونُ بِالْيَمَنِ."[4]

"كَتَبَ إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ: أَنْ يَضْرِبُوا الْجِزْيَةَ، وَلَا يَضْرِبُوهَا عَلَى النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَلَا يَضْرِبُوهَا إِلَّا عَلَى مَنْ جَرَتْ عَلَيْهِ الْمُوسَى".

۱۔ سورۃ التوبہ، ۹:۲۹

۲۔ کاسانی، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶م، الطبعۃ: الثانیۃ، ۷/۱۱۱

۳۔ الجامع لأحکام القرآن، ۸/۱۱۲

۴۔ ابو داؤد، سلیمان بن الأشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفیء، باب فی اخذ الجزیۃ، دار الکتاب العربی بیروت، رقم الحدیث ۳۰۳۸

اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے کمانڈروں کو بھی یہی لکھ کر بھیجا تھا کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ عائد نہیں کرنا صرف بالغ مردوں پر جزیہ عائد کرو۔

امام ابو عبید رحمہ اللہ اسکی اس طرح سے وضاحت کرتے ہیں۔

"يَعْنِي مَنْ أَنبَتَ، وَهَذَا الْحَدِيثُ هُوَ الْأَصْلُ فِيمَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجِزْيَةُ، وَمَنْ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ، أَلَا تَرَاهُ إِنَّمَا جَعَلَهَا عَلَى الذُّكُورِ الْمُدْرِكِينَ، دُونَ الْإِنَاثِ وَالْأَطْفَالِ، وَذَلِكَ أَنَّ الْحُكْمَ كَانَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ لَوْ لَمْ يُؤَدُّوهَا وَأَسْقَطَهَا عَمَّنْ لَا يَسْتَحِقُّ الْقَتْلَ وَهُمُ الذُّرِّيَّةُ". (1)

اسکا مطلب جو جوان ہو گیا یہ حدیث اس باب میں کہ کس پر جزیہ واجب ہو گا اور کس پر واجب نہیں ہو گا بنیادی حیثیت رکھتی ہے کتنی وضاحت سے بتایا جا رہا ہے کہ صرف بالغ مردوں سے جزیہ لیا جائے گا عورتوں اور بچوں سے نہیں لیا جائے گا۔ اس لیے کہ یہ بالغ مرد اگر جزیہ ادا نہیں کرینگے تو انہیں قتل کرنے کا حکم ہے اور جو قتل کے مستحق نہیں ہیں وہ عورتیں اور بچے ہیں۔

ان تمام نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ بالغ پر جزیہ عائد ہو گا۔

۲۔ عاقل

جزیہ کی شرائط میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ عاقل پر جزیہ عائد ہو گا نہ کہ مجنون (پاگل) پر۔ جیسا کہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"وَلَا جِزْيَةَ عَلَى صَبِيٍّ، وَلَا زَائِلِ الْعَقْلِ، وَلَا امْرَأَةٍ". (2)

بچے پر مجنون شخص پر اور عورت پر جزیہ نہیں ہے۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ آیتِ جزیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں.

"وهذا إجماع من العلماء على أن الجزية إنما توضع على جماجم الرجال الأحرار البالغين، وهم الذين يقاتلون دون النساء والذرية والعبيد والمجانين المغلوبين على عقولهم والشيخ الفاني". (3)

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جزیہ آزاد بالغ مردوں کے سروں پر لگایا جاتا ہے اور وہ وہی

۱۔ کتاب الاموال، ص: ۴۵

۲۔ المغنی، ۳۳۸/۹

۳۔ الجامع لأحکام القرآن، ۱۱۲/۸

ہیں جو قتال کرتے ہیں نہ کہ عورتیں بچے اور غلام اور ایسے مجنون افراد جنکی عقلیں مغلوب ہوں اور بوڑھے افراد۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مجنون (پاگل) افراد پر کوئی جزیہ نہیں ہے۔

امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"وَأَمَّا شَرَائِطُ الْوُجُوبِ فَأَنْوَاعٌ: (مِنْهَا) الْعَقْلُ (وَمِنْهَا) الْبُلُوغُ (وَمِنْهَا) الذُّكُورَةُ، فَلَا تَجِبُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ وَالْمَجَانِينِ".[1]

جزیہ کی شرائط میں سے عقل بالغ اور مرد ہے بچوں عورتوں اور پاگل افراد پر جزیہ واجب نہیں ہوتا۔

۳۔ مرد

جزیہ کی شرائط میں سے تیسری شرط یہ ہے کہ مرد پر جزیہ کا اطلاق ہوتا ہے نہ کہ عورت پر۔ جیسا کہ امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"وأجمعوا على أن لا تؤخذ من صبي، ولا من امرأة جزية".[2]

اس بات پر اجماع ہے کہ بچوں اور عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"قال علماؤنا رحمة الله عليهم: والذى دل عليه القرآن أن الجزية تؤخذ من الرجال المقاتلين، لأنه تعالى قال: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ إلى قوله حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾[3] فيقتضى ذلك وجوبها على من يقاتل".[4]

ہمارے علماء نے کہا ہے وہ جس پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جزیہ جنگ لڑنے والے مردوں سے لیا جائے گا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے (قاتلوا الذين...) اور یہ

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۱۱۱/۷

۲۔ ابن المنذر، محمد بن إبراهيم، الإجماع، كتاب الجهاد، دار المسلم للنشر والتوزيع، ۲۰۰۴م الطبعة الأولى، ص: ۶۲

۳۔ سورۃ التوبہ، ۲۹:۹

۴۔ الجامع لأحكام القرآن، ۱۱۲/۸

آیت ان پر جزیہ کے واجب ہونے کا تقاضا کرتی ہے جو قتال کرتے ہیں۔

۴۔ آزاد

جزیہ کی شرائط میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ جزیہ آزاد آدمی پر ہے نہ کہ غلام پر۔

جیسا کہ امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ وَإِنْ كَانَ مُقَاتِلًا، لِأَنَّهُ لَا مَالَ لَهُ، وَلِأَنَّهُ تَعَالَى قَالَ: ﴿حَتَّى يُعْطُوا﴾ وَلَا يُقَالُ لِمَنْ لَا يَمْلِكُ حَتَّى يُعْطِيَ وَهَذَا إِجْمَاعٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّ الْجِزْيَةَ إِنَّمَا تُوضَعُ عَلَى جَمَاجِمِ الرِّجَالِ الْأَحْرَارِ الْبَالِغِينَ، وَهُمُ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ دُونَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ وَالعَبِيدِ وَالْمَجَانِينَ الْمَغْلُوبِينَ عَلَى عُقُولِهِمْ وَالشَّيْخِ الْفَانِي". (1)

اور یہ اس پر بھی دلیل ہے کہ غلام پر جزیہ نہیں ہے اگرچہ وہ جنگ لڑنے والا ہو، کیونکہ اس کے پاس کوئی مال نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: حتی یعطوا اور جو کسی شے کا مالک نہ ہو اس کے لیے حتی یعطی نہیں کہا جاسکتا۔ اور یہ کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جزیہ آزاد، بالغ مردوں کے سروں پر لگایا جائے گا اور وہ وہی ہیں جو قتال کرتے ہیں نہ کہ عورتیں، بچے، غلام، ایسے مجنون افراد جن کی عقلیں مغلوب ہوں اور بوڑھے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"وأجمعوا على أنه لا جزية على العبيد". (2)

اس بات پر اجماع ہے کہ جزیہ غلاموں پر نہیں ہے۔

اسی طرح امام ابن رشد رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں۔

"وَكَذَلِكَ أَجْمَعُوا أَنَّهَا لَا تَجِبُ عَلَى الْعَبِيدِ". (3)

اسی طرح اجماع ہے کہ غلاموں پر جزیہ واجب نہیں ہے۔

ان شرائط سے واضح ہوتا ہے کہ بالغ پر، آزاد پر، مرد پر اور عاقل پر جزیہ واجب ہے۔

اختلافی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ الجامع لأحکام القرآن، ۱۱۲/۸

۲۔ الاجماع، ص: ۶۲

۳۔ بدایۃ المجتهد ونهایۃ المقتصد، ۱۶۶/۲

۱۔ مالی قدرت

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ کام کی طاقت رکھنے والے فقیر پر جزیہ عائد ہو گا اور کام کی طاقت نہ رکھنے والے کے بارے میں اختلاف ہے۔

کام کی طاقت رکھنے والے فقیر پر جزیہ کی مقدار درج ذیل ہے۔

تبیین الحقائق میں ہے۔

"فَيُوضَعُ عَلَى الْفَقِيرِ الْمُعْتَمِلِ فِى مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ اثْنَا عَشَرَ دِرْهَمًا يُؤْخَذُ مِنْهُ فِى كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمٌ". (1)

کام کی طاقت رکھنے والے فقیر پر سالانہ ۱۲ درہم جزیہ مقرر کیا جائے گا ہر ماہ اس سے ایک درہم لیا جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک فقیر پر ۱۰ درہم یا ایک دینار جزیہ عائد ہو گا اور امام شافعی کے نزدیک ہر ایک پر ایک دینار جزیہ عائد ہو گا۔ (2)

کام کی طاقت نہ رکھنے والے کے بارے میں امام شافعی کہتے ہیں۔

اس پر جزیہ واجب ہے۔ (3)

دلیل

جب نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑا وصول کرو۔

"عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ، يَعْنِي مُحْتَلِمًا، دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مِنَ الْمَعَافِرِيِّ ثِيَابٌ تَكُونُ بِالْيَمَنِ". (4)

اس حدیث میں بالغ کا لفظ ہے جو کہ فقیر کو بھی شامل ہے۔ چاہے وہ کام کرنے کی طاقت رکھتا ہو یا کام کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

۱۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۲۷۶/۳

۲۔ المغنی، ۳۳۵/۹

۳۔ ایضاً، ۳۴۰/۹

۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب فی اخذ الجزیۃ، رقم الحدیث ۳۰۴۰

جبکہ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"والصحيح أنها لا تجب على عاجز عنها فإن الله لا يكلف نفسا إلا وسعها وإنما فرضها عمر ﷺ على الفقير المعتمل لأنه يتمكن من أدائها بالكسب وقواعد الشريعة كلها تقتضي ألا تجب على عاجز كالزكاة والدية والكفارة والخراج و لا يكلف الله نفسا إلا ما آتاها".(1)

صحیح بات یہ ہے کہ جزیہ کسی ایسے شخص پر واجب نہیں ہے جو کام کرنے کی طاقت نہ رکھے بیشک اللہ کسی جان کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جزیہ کو اس فقیر پر جو کام کرنے کی طاقت رکھتا ہو فرض کیا کیونکہ اس کے لئے اپنی کمائی سے اس کا ادا کرنا ممکن ہے اور ویسے بھی تمام کے تمام قواعد شریعہ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسے شخص پر واجب نہیں ہوتے جو کسی کام کے کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو جیسے زکوۃ دیت کفارہ اور خراج اور کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی ایسا فقیر جو کام کرنے کی طاقت رکھتا ہے اس پر جزیہ عائد ہو گا اور جو شخص کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس پر جزیہ عائد نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اپاہج کرنے والی بیماریوں سے محفوظ ہونا

جزیہ کی شرائط میں سے چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ ذمی اپاہج کرنے والی تمام بیماریوں سے محفوظ ہو۔

جیسے اندھا پن لنگڑا پن وغیرہ وغیرہ اگر کوئی ایسا شخص ان بیماریوں میں مبتلا ہو جائے یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے جو اسے کام کرنے سے عاجز کر دے تو کیا ایسے شخص پر جزیہ عائد کیا جائے گا یا نہیں ؟

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام أحمد بن علی أبو بکر الرازی الجصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"كَذَلِكَ ثَبَتَ أَنَّ الْجِزْيَةَ مَأْخُوذَةٌ مِمَّنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ وَمَنْ يُمْكِنُهُ أَدَاؤُهُ مِنْ الْمُحْتَرِفِينَ وَلِذَلِكَ قَالَ أَصْحَابُنَا إنَّ مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ فَلَا جِزْيَةَ عَلَيْهِ فَقَالُوا مَنْ كَانَ أَعْمَى أَوْ زَمِنًا أَوْ مَفْلُوجًا أَوْ شَيْخًا كَبِيرًا فَانِيًا وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا جِزْيَةَ عَلَيْهِ".(2)

۱۔ احکام اھل الذمہ، ۱/۱۶۰

۲۔ جصاص، احمد بن علی، أحکام القرآن، دار إحیاء التراث العربی۔بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۴/۲۸۹

یہ ثابت ہوا کہ جزیہ ان لوگوں سے لیا جائے گا جو قتال کی اہلیت رکھتے ہوں گے اور ان اہل حرفہ سے جن کے لئے اس کی ادائیگی ممکن ہوگی۔ اسی بنا پر ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ اگر ایک شخص جنگ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس پر جزیہ عائد نہیں ہوگا۔ ان کا قول ہے کہ اگر ایک شخص نابینا یا مفلوج یا انتہائی بوڑھا یا ہاتھ پاؤں سے معذور ہوگا تو مالدار ہونے کے باوجود اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

یہی مذہب امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"وَالْمُقْعَدُ وَالزَّمِنُ إِذَا كَانَ لَهُمَا يَسَارٌ أُخِذَ مِنْهُمَا وَكَذَلِكَ الأَعْمَى".(1)

اور ایسے معذور مفلوج اور نابینا افراد جو مالدار ہوں ان سے جزیہ لیا جائے گا۔

انکی دلیل یہ ہے کہ یہ افراد بھی لڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں اسلئے اگر وہ جنگ میں ذی رائے ہوں تو قتل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان پر جزیہ واجب ہوگا جیسا کہ دوسروں پر واجب ہوتا ہے۔

"امام ابو ثور رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اپاہج کرنے والی آفات میں مبتلا لوگوں سے جزیہ لیا جائے گا، اگرچہ مالدار بھی نہ ہوں، دلیل آیتِ جزیہ کا عام ہونا ہے ﴿حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾(2) یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں رعیت ہو کر اپنی پستی کا احساس کر کے۔ اس میں اندھے، بیمار اور اپاہج وغیرہ سب داخل ہیں"۔(3)

معلوم ہوا کہ اس شرط کو مال کے ہونے یا نہ ہونے پر موقوف کیا گیا ہے۔ اگر ان بیماریوں میں مبتلا شخص مالدار ہے اور اس پر جزیہ عائد ہوگا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے محتاج ہے تو اس پر جزیہ عائد نہیں ہوگا۔

3۔ گرجا گھر میں عبادت کرنے والا راہب نہ ہو

جزیہ کی شرائط میں سے ایک شرط گرجا گھر میں عبادت کرنے والے راہب کے حوالے سے بھی ہے۔ اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسا راہب جو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہو اور سے جزیہ لیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"وہ راہب جو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہوں ان سے جزیہ لینے پر سب کا اتفاق

۱۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، الخراج المکتبۃ الازہریۃ للتراث، ۱/۱۳۵

۲۔ سورۃ التوبہ، ۹:۲۹

۳۔ الام، ۴/۲۷۹

ہے"۔(1)

ایسا راہب جو لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا دنیا سے الگ ہو کر گرجے میں عبادت کرتا ہے اس پر جزیہ کے بارے فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''جہاں تک اصحاب صوامع (عبادت گاہوں میں رہنے والے عابد وزاہد لوگ) کا تعلق ہے تو ان پر جزیہ واجب ہے بشرطیکہ وہ کام کرنے کی قدرت رکھتے ہوں کیونکہ ایسے اصحاب صوامع اہل قتال میں سے ہیں اور کام کرنے کی قدرت رکھتے ہوئے کام نہ کرنا جزیہ کے واجب ہونے میں مانع نہیں ہے جیسے اس شخص سے خراج ساقط نہیں ہوتا جو خراجی زمین کا مالک ہو اور کھیتی باڑی کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود کھیتی باڑی نہ کرتا ہو''۔ واللہ تعالی اعلم۔(2)

امام کاسانی کے اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ لوگ کام کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور کام کی طاقت رکھتے ہوئے بھی کام نہیں کرتے تو پھر بھی ان سے جزیہ لیا جائے گا اس لیے کہ ایسے لوگ اہل قتال میں سے ہیں اور اہل قتال میں سے ہی جزیہ لیا جاتا ہے۔ اور اصحاب صوامع میں سے جو کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اُن کے ہم مذہب لوگ ان کو خیرات وغیرہ دیتے ہیں تو پھر بھی ان پر جزیہ نہیں ہو گا۔

جیسا کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

''اگر یہ راہب خوشحال ہوں تو ان سے جزیہ لیا جائے گا، اگر مسکین ہوں اور ان کے خوشحال ہم مذہب ان کو خیرات دیتے ہوں تو جزیہ نہیں لیا جائے گا''۔(3)

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک

''راہب پر جزیہ واجب نہیں ہے اگرچہ مالدار ہو''۔(4)

۱۔ احکام اھل الذمہ، ۱/۱۶۱۔۱۶۲

۲۔ کاسانی، ابو بکر بن مسعود بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مترجم پروفیسر خان محمد چاولہ، شعبہ مطبوعات۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، جون ۱۹۹۷ء، طبع دوم، ۷/۲۹۲۔۲۹۳

۳۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، مترجم مولانا نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ، ص: ۳۳۴

۴۔ کشف القناع عن متن الاقناع، ۳/۱۲۰

"امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک راہب پر جزیہ واجب ہے اگرچہ مالدار ہو یا نہ ہو"۔[1]

ان تمام اقوال میں سے راجح قول یہی ہے کہ اگر یہ راہب خوشحال ہو، مالدار ہو تو پھر ان سے جزیہ لیا جائے گا۔اور اگر محتاج ہیں مالدار نہیں ہیں، کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

جزیہ کی حکمتیں

جس طرح شریعت کے احکامات کے مشروع ہونے میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے،اسی طرح جزیہ کے مشروع ہونے کی بھی اہل علم نے حکمتیں بیان کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ جزیہ مسلمانوں کی حکومت کی اطاعت وفرمانبرداری کی علامت ہے۔

جزیہ کی ایک حکمت یہ ہے کہ ذمی اسلامی حکومت کے قوانین کے تابع ہوں گے، مسلمانوں کی بالادستی کو تسلیم کریں گے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے بہت سارے اہل علم سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ صغار ان پر اسلام کا حکم جاری کرنا ہے کیونکہ وہ اسلام کے سامنے سرنگوں ہونے سے کتراتے اور اعراض کرتے ہیں جب ان پر اسلام کا حکم جاری ہوگا تو ان کی طبعیت خلاف ہونے کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوں گے"۔[2]

۲۔ جزیہ ان پر ایک بہت بڑا انعام ہے۔

جزیہ کی حکمت میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ یہ اُن پر ایک بہت بڑا انعام ہے۔وہ اس طرح کہ اس بدلے میں پُرامن زندگی گزار سکیں، اسکے بدلے میں اپنے دین پر عمل کرتے ہوئے آزادی سے زندگی گزار سکیں،اس کے بدلے میں اُن کی جان اور مال محفوظ ہو سکے۔جیسا کہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے (عن ید) کی تفسیر کرتے ہوئے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے۔

"جزیہ کو ان کی طرف سے قبول کرنا اُن پر انعام ہے"۔[3]

اور یہ انعام ان پر اس وجہ سے ہے کہ اس میں ان کی جان محفوظ ہے۔گویا جان کی حفاظت کے بدلے ان پر یہ انعام کیا گیا ہے۔جیسا کہ امام الحسن بن محمد النسیابوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

۱۔ الام، ۲۷۹/۴

۲۔ البیھقی، احمد بن الحسین، احکام القرآن، مکتبۃ الخانجی، القاھرۃ، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴م، الطبعۃ الثانیۃ، ۶۰/۲

۳۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، ۲۵۰/۲

"ان کی جان کے بدلے میں ان سے جزیہ قبول کرنا ان پر ایک بہت بڑا انعام واحسان ہے"۔[1]

۳۔ جزیہ ذمیوں کے لیے ہدایت پانے کا ذریعہ ہے۔

جزیہ ذمیوں کے لیے ہدایت پانے کا ذریعہ اس طرح سے ہے کہ جب ذمیوں سے جزیہ ذلت و مذمت کے ساتھ وصول کیا جائے گا تو پھر اسی ذلت و عار کی وجہ سے وہ کفر پر ثابت قدم نہیں رہیں گے۔

جیسا کہ امام الکیاالہراسی فرماتے ہیں:

"جس طرح زکوٰۃ کے ساتھ تعریف و عزت اور دعا شامل ہے اسی طرح جزیہ کے ساتھ ذلت و مذمت شامل ہے اور جب اس طرح سے ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا تو ذلت و عار کی وجہ سے زیادہ امید ہو گی کہ وہ کفر پر ثابت قدم نہیں رہیں گے اور جو طریقہ و قانون کفر کے چھوڑنے اور اس سے باز رہنے کا سبب ہو وہ وضع قانون کے لیے زیادہ مناسب ہو گا اور حکمت کے موافق ہو گا"۔[2]

پھر اسی طرح جب ذمی ایک مسلم معاشرہ میں رہے گا تو وہ اسلام کے محاسن سے باخبر ہو گا مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہے گا اسلامی احکامات و اوصاف اور اس کی روشن تعلیمات کو جب دیکھے گا تو اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گی اور یہ اسلامی تعلیمات اس کو اسلام قبول کرنے پر ابھار دیں گی۔

اسی طرح امام قرافی فرماتے ہیں کہ:

"جزیہ کا قانون بڑے مفسدہ کو دور کرنے اور اصلاح کی اُمید میں ایک چھوٹے مفسدہ کو اختیار کرنا ہے۔ اسلامی شرعی قوانین کی یہی امتیازی شان ہے، وہ اس طرح سے کہ اگر ایک غیر مسلم قتل کر دیا جائے تو اس کے لیے ایمان کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اس کے لیے کفر اور ہمیشہ جہنم میں رہنا اور اللہ کی ناراضگی ثابت ہو جائے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جزیہ کا قانون مشروع کیا کہ شاید وہ اسلام کے محاسن کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیں"۔[3]

اس سے پتہ چلا کہ اسلامی قوانین کی ایک امتیازی خوبی ہوتی ہے اور جزیہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ غیر مسلم جب مسلم معاشرے میں مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہیں گے ان کو اسلام کے محاسن کا پتہ چلے گا تو وہ

۱۔ النیسابوری، حسن بن محمد، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، ۴۵۳/۲

۲۔ الکیاالہراسی، علی بن محمد، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ، الطبعہ الثانیہ، ۱۹۰/۴

۳۔ القرافی، احمد بن ادریس، الفروق، وزارۃ الاوقاف السعودیۃ، ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰ء، ۲۴/۳

اس کے قریب آئیں گے، اسلام کے اوصاف حمیدہ کا مطالعہ کریں گے اور اگر غیر مسلم کو مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا موقع ہی نہ دیا جائے اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے تو اس کے لیے ایمان کا دروازہ بند ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں چلا جاتا ہے اور یہ جزیہ بظاہر دیکھنے میں وہ اپنے لیے ذلت سمجھتے ہیں، اس جزیہ کو اپنے لیے عار محسوس کرتے ہیں لیکن یہی ذلت و عار ان کو خیر اور ہدایت کے راستے پر لا سکتی ہے۔

۴۔ جزیہ مالی آمدنی کا ذریعہ ہے۔

جزیہ اسلامی حکومت کی مالی مدد کا ایک ذریعہ ہے۔ مثلاً: معاشرے میں رفاہ عامہ کے کام، فلاح و بہبود کے کام اور معاشرہ سے فتنہ و فساد کا ختم کرنا، امن کو بحال کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اسی لیے علامہ ابن العربی نے جزیہ کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

"إن في أخذها معونة للمسلمين وتقوية لهم، ورزق حلال ساقه الله إليهم". [1]

جزیہ کا ذمیوں سے لینا اس میں مسلمانوں کے لیے مدد اور قوت ہے اور رزق حلال ہے جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے۔

۱۔ ابن العربی، محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۴۲۴-۲۰۰۳، الطبعۃ الثالثۃ، ۴۸۲/۲

فصل دوم

جزیہ کے وجوبی اسباب

فصل دوئم

جزیہ کے وجوبی اسباب

فقہاء نے کچھ ایسے اسباب کی طرف نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے ذمیوں پر جزیہ ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ان خاص اسباب کی وجہ سے وہ جزیہ ادا کرتے ہیں۔وہ اسباب درج ذیل ہیں:

ا۔ اسلام کے نہ ہونے کی وجہ سے جزیہ کا واجب ہونا۔

جزیہ کے وجوبی اسباب میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ عدم اسلام کی وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ مالکیہ اور بعض احناف کے نزدیک جزیہ کفر پر اصرار کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔

ابن العربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں

"وجبت بدلا عن القتل بسبب الکفر".(1)

جزیہ قتل کے عوض کفر کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔

اسی طرح صاحب ہدایۃ فرماتے ہیں۔

"إنها وجبت عقوبة على الاصرار على الكفر".(2)

جزیہ کفر پر اصرار کی وجہ سے بطور سزا مقرر ہوا ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ

"ولهذا سميت جزية وهي الجزاء واحد وهو يقال على الثواب بسبب الطاعة والعقوبة بسبب المعصية ولا شك في انتقاء الأول وإذا أخذت بطريق الاذلال بل هذا أخروری من الدين فتعين انها عقوبة على المعصية الكفر".(3)

جزیہ جزاء سے مشتق ہے اور وہ یا تو اطاعت کے سبب حاصل ہونے والے ثواب پر بولا جائے گا یا نافرمانی کے سبب ہونے والی سزا پر، اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلا معنی مراد نہیں ہے اس لیے کہ کفر معصیت و برائی ہے۔طاعت نہیں ہے تو جزاء کا دوسرا معنی متعین ہے یعنی وہ کفر

ا۔ احکام القرآن، ۴۸۰/۲

۲۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان، ۴۰۳/۲

۳۔ ابن الھمام، محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر، دار الفکر، ۵۴/۶

کے سبب ہونے والی سزا ہے۔

اور مالکیہ کی دلیل کے بارے میں ابن العربی کہتے ہیں۔

"واستدل علماؤنا على أنها عقوبة (بأنها) وجبت بسبب الكفر، وهو جناية، فوجب أن يكون مسببها عقوبة ولذلك وجبت على من يستحق العقوبة وهم البالغون العقلاء المقاتلون".(1)

ہمارے علماء نے اس کے سزا ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ وہ کفر کی وجہ سے واجب ہے اور کفر جرم ہے تو ضروری ہے کہ اس کا سبب سزا ہو اور اسی وجہ سے اس پر واجب ہوتا ہے جو سزا کا مستحق ہو اور وہ عاقل، بالغ جنگ کی صلاحیت رکھنے والے ہیں۔

فقہاء کی ان آراء سے پتہ چلتا ہے کہ جزیہ کفر کی وجہ سے، اسلام کے نہ ہونے کی وجہ سے لیا جاتا ہے اس لیے کہ کفر معصیت ہے، کفر جرم ہے اور اسی جرم اور معصیت کی سزا کے لیے ان پر جزیہ عائد کیا گیا ہے۔

۲۔ نصرت کے عوض جزیہ کا واجب ہونا

جزیہ کو واجب کر دینے والے اسباب میں سے دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ نصرت کے عوض واجب ہے۔ جس طرح جزیہ ادا کرنے سے وہ قتل سے بچ جاتے ہیں اسی طرح یہ جزیہ ہمارے حق میں، ہمارے مجاہدین کی نصرت کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام ابن ہمام فرماتے ہے۔

"لأنه بدل عن القتل في حقهم وعن النصرة في حقنا".(2)

اس لیے کہ جزیہ ان ذمیوں کے حق میں قتل سے بدل ہے اور ہمارے حق میں مدد کا عوض ہے۔

یعنی جزیہ دینے سے ذمی قتل سے بچ جاتے ہیں اور جزیہ دینے سے ہی مدد کا عوض بھی ہے۔ اور مدد اس طرح ہے کہ یہ جزیہ مجاہدین کی نصرت اور مدد کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ صاحبِ ہدایۃ بھی فرماتے ہیں کہ

"لأنه وجب نصرة للمقاتلة فتجب على التفاوت بمنزلة خراج الأرض، وهذا لأنه وجب بدلا عن النصرة بالنفس والمال".(3)

۱۔ احکام القرآن، ۴۸۱/۲

۲۔ فتح القدیر، ۵۱/۶

۳۔ الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، ۴۰۱/۲

جزیہ مجاہدین کی نصرت کے لیے واجب کیا گیا ہے۔ لہٰذا خراج ارض کی طرح جزیہ بھی متفاوت ہو کر واجب ہو گا اور اس لیے بھی کہ جزیہ جان و مال کی نصرت کے بدلے واجب ہوا ہے۔

۳۔ دار الاسلام میں اقامت کی وجہ سے جزیہ کا واجب ہونا

ذمیوں کا دار الاسلام میں سکونت و رہائش اختیار کرنا گویا ان پر جزیہ کو واجب کرتا ہے۔ جیسا کہ المغنی میں امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"وهي الوظيفة المأخوذة من الكافر لإقامته بدار الإسلام في كل عام".(1)

یہ وظیفہ (جزیہ) جو ہر سال کافر سے دار الاسلام میں سکونت و رہائش کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک جزیہ کو دار الاسلام میں اقامت کی وجہ سے فرض کیا گیا ہے۔

۴۔ جزیہ کا حفاظت اور امن کے عوض واجب ہونا

یہ وہ سبب ہے جس کی ہمیں عہد صحابہ سے کافی مثالیں ملتی ہیں کہ جب صحابہ کرام نے علاقے فتح کئے وہاں کے لوگوں سے صلح کی اور معاہدے ہوئے جن میں بنیادی بات ہی یہی تھی کہ جزیہ کے بدلے ہی حفاظت کی جائے گی اور امن فراہم کیا جائے گا۔ جزیہ کے بدلے ذمیوں کی جانوں کی حفاظت، مالوں کی حفاظت وغیرہ کی جائے گی۔ جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ نے جب اہل حیرہ کے ساتھ معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم پر طے پایا۔ جو ہر سال ان سے ان کی حفاظت کے بدلے میں لیا جائے گا۔ معاہدہ درج ذیل ہے۔

> یہ عہد نامہ جو خالد بن ولید نے عدی، عمرو بن عدی، عمرو بن عبد المسیح، ایاس بن قبیصہ اور حیری بن اکال سے کیا ہے۔ یہ حیرہ والوں کے سردار ہیں اور حیرہ والے اس معاہدے سے راضی ہیں۔ انہیں اس کا حکم دیا ہے اور ان سے ایک لاکھ نوے ہزار درہم پر معاہدہ کیا ہے جو ہر سال ان سے اس حفاظت کے عوض وصول کیا جائے گا جو دنیاوی مال و متاع ان کے قبضہ میں ہے، خواہ راہب ہوں یا پادری لیکن جن کے پاس کچھ بھی نہیں دنیا سے الگ ہیں اس کو چھوڑ چکے ہیں اور محفوظ ہیں اور اگر ان کی حفاظت کی ضرورت نہیں تو ان پر کوئی جزیہ نہیں یہاں تک کے ان کی حفاظت کی جائے اگر انہوں نے اپنے کسی فعل یا قول کے ذریعہ

۱۔ المغنی، ۳۲۸/۹

سے غداری کی کو ذمہ ان سے بری ہے۔[1]

یہ معاہدہ ربیع الاول ۱۲ ہجری میں لکھا گیا۔

اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے جب یرموک کو فتح کیا تو اس وقت بھی ذمیوں سے کہا گیا تھا کہ ہم دوسرے مشاغل کے باعث تمہاری حفاظت اور نصرت نہیں کر سکیں گے لہٰذا تم جانو اور تمہارا کام۔

سعید بن عبد العزیز فرماتے ہیں۔

جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ (ہرقل نے) فوجیں جمع کیں جو الیرموک کی جنگ کے لیے ان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو انہوں نے اہل حمص کو وہ سارا خراج واپس کر دیا جو ان سے لیا تھا اور کہا کہ ہم دوسرے مشاغل کے باعث تمہاری نصرت و حفاظت سے معذور ہو گئے ہیں اب تم جانو اور تمہارا کام۔ اس پر اہل حمص نے کہا ہمیں تمہاری حکومت اور تمہارا عدل اس ظلم و جور سے بہت زیادہ محبوب ہے جس میں ہم تمہارے آنے سے قبل مبتلا تھے ہم ہرقل کی فوج کی مدافعت کریں گے اور تمہارے عامل کے ساتھ مل کر شہر کی حفاظت کریں گے۔ یہود نے کہا: تورات کی قسم ہرقل کا عامل حمص میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہمیں مغلوب نہ کر لے اور ہماری تمام کوششیں ضائع نہ ہو جائیں پھر انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے اور ان کی حفاظت کرنے لگے اور یہی ان شہروں کے یہود و نصاریٰ نے بھی کیا جن سے صلح ہو چکی تھی، انہوں نے کہا اگر رومی اور ان کے ساتھی مسلمانوں پر غالب ہو گئے تو ہماری جو حالت تھی وہی پھر ہو جائے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے ہم اسی حالت میں رہیں گے پھر جب اللہ نے کافروں کو ہزیمت دی اور مسلمانوں کو غالب کیا تو انہوں نے اپنے شہروں کے دروازے کھول دیے اور مقلسین (گانے بجانے والوں) کو ساتھ لے کر نکلے اور جشن منایا اور خراج ادا کیا۔[2]

تو اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب ذمیوں سے یہ کہا گیا کہ اب تمہاری حفاظت نہیں کر سکیں گے مدد نہیں کر سکیں گے تم اب خود اپنی حفاظت کرو تو پھر انہوں نے آگے سے مسلمانوں کے عدل و انصاف کی تعریف کی اور پھر مسلمانوں کے ساتھ مل کر دفاع بھی کیا۔ تو بعد ازاں جب اللہ نے مسلمانوں کو دوبارہ غلبہ عطا کیا اور کافروں کو غرق کیا تو پھر ذمیوں نے دوبارہ خراج ادا کیا۔

۱۔ تاریخ الرسل والملوک، ۳/۳۶۴

۲۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، مترجم سید ابوالخیر مودودی، نفیس اکیڈمی اُردو بازار کراچی، ص: ۲۰۶

جزیہ ساقط کرنے والے اسباب

فقہاء نے کچھ ایسے اسباب کی طرف نشاندہی بھی کی ہے جن کی وجہ سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ اسباب درج ذیل ہیں۔

ا۔ اسلام

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ذمی اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ آئندہ اس سے جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"وأجمعوا على أن لا جزية على مسلم".(1)

اس بات پر اجماع ہے کہ مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام کے دور اور بعد کے دور کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جب کوئی شخص اسلام کی آغوش میں آجاتا تھا تو اس سے جزیہ ساقط کر دیا کرتے تھے جیسا کہ امام ابو عبید رحمہ اللہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کی ایک مثال بیان کرتے ہیں۔

عبید اللہ بن رواحہ کہتے ہیں کہ میں مقام ''سلسلہ'' میں مسروق کے ساتھ تھا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ عجمیوں میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ وہ شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی اے امیر المؤمنین میں مسلمان ہو چکا ہوں پھر بھی مجھ سے جزیہ لیا جا رہا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہو سکتا ہے کہ تم جزیہ سے بچنے کے لیے مسلمان ہو گئے ہو؟ اس شخص نے کہا تو کیا اسلام مجھے اس سے نجات نہیں دلا سکتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے اسے پروانہ لکھ دیا کہ اس سے جزیہ وصول نہ کیا جائے۔(2)

اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے بھی عمال کے نام پر یہ تحریر لکھی تھی۔

جو ہماری طرح کلمہ شہادت کی گواہی دے، ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ختنہ کرالے تو اُس سے جزیہ وصول نہ کرو۔(3)

ا۔ الاِجماع، کتاب الجهاد، ص: ۶۲

۲۔ ابن سلام، قاسم، کتاب الاموال، مترجم: عبد الرحمان طاہر سورتی، ادارۃ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص: ۱۷۰

۳۔ ایضاً

اس سے معلوم ہوا کہ ذمی کے مسلمان ہونے پر اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اب ذمی کے مسلمان ہونے کے بعد اس سے گزشتہ سال کا جزیہ لیا جائے گا یا نہیں۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو ذمی مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ خواہ وہ سال کے درمیان میں مسلمان ہوا ہو یا سال گزرنے کے بعد۔ اگرچہ اس پر دو سالوں کا جزیہ جمع ہو چکا ہو۔ (1)

دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِن يَنتَهُواْ يُغۡفَرۡ لَهُم مَّا قَدۡ سَلَفَ وَإِن يَعُودُواْ فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ ٱلۡأَوَّلِينَ﴾ (2)

ترجمہ: آپ ان کافروں سے کہہ دیجیئے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ نہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر ایسا ہی کریں تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر ہی چکا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے سے پہلے چیزوں کو ختم کر دیتا ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کافر اگر اسلام قبول کر لے تو اسے فوت شدہ نمازوں یا زکوٰۃ کی قضاء کا حکم نہیں دیا جائے گا اسی طرح اسلام سے واجب شدہ جزیہ کا بھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ (3)

پتہ چلتا ہے کہ جب ایک کافر اسلام قبول کر لیتا ہے تو جس طرح اس سے نمازوں کی قضاء کا نہیں کہا جائے گا اسی طرح جزیہ کا بھی مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح امام ابو عبید رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی روایت نقل کرتے ہیں۔

زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک زمین دار نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت علیؓ نے اس سے کہا اگر تم اپنے علاقے میں اپنی زمین پر ہی اقامت رکھو گے تو ہم تم سے جزیہ معاف کر دیں گے لیکن تمہاری زمین سے خراج لیتے رہیں گے۔ (4)

۱۔ احکام اھل الذمہ، ۱/۱۷۶

۲۔ سورۃ الانفال، ۸: ۳۸

۳۔ سیوطی، عبدالرحمان، الاکلیل فی استنباط التنزیل، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ۔ ۱۹۸۱م، ص: ۱۳۵

۴۔ کتاب الاموال، مترجم ص: ۱۷۱

اس روایت سے پتہ چلا کہ اسلام قبول کر لینے سے جزیہ معاف ہو جاتا ہے اور اگر جزیہ برقرار رہتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ زمین دار سے گزشتہ سال کے جزیہ کا مطالبہ کرتے۔ اسی لیے امام ابو عبید اس روایت کے تحت لکھتے ہیں:

ائمہ ہدی کے بالتواتر یہ مروی آثار اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام قبول کر لینے سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، ان حضرات نے اس بارے میں شروع سال یا آخر سال کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ان وجوہ کی بناء ہمارا فیصلہ یہی ہے کہ اسلام اپنے سے پہلے کے بقیہ جزیہ کو ساقط کر دیتا ہے۔[1]

اس کے برعکس احناف میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اگر کسی بھی ذمی نے سال کے گزرنے کے بعد اسلام قبول کیا تو اس پر جزیہ واجب ہو گا لیکن اگر وہ سال پورا ہونے سے مہینہ، دو مہینہ ایک دن، دو دن یا اس سے کچھ کم یا زیادہ عرصہ پہلے بھی مسلمان ہو چکا ہو تو اس سے جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔[2]

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی موقف ہے۔ کہ ذمی اگر سال گزرنے کے بعد اسلام قبول کرتا ہے تو اس سے جزیہ ساقط نہیں ہو گا اور اگر وہ دورانِ سال اسلام قبول کرتا ہے تو دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جزیہ ساقط ہو جائے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے جزیہ لیا جائے گا۔[3]

دلیل

"جزیہ جان کی حفاظت کا عوض ہے اور ذمی کی جان محفوظ ہو چکی ہے لہٰذا جان کی حفاظت کا بدل یعنی جزیہ اس کے ذمہ دین ہو جائے گا اس لیے اسلام لانے کے بعد دوسرے دیون کی طرح یہ بھی ساقط نہیں ہو گا"۔

اس میں راجح قول یہ ہے کہ ذمی چاہے سال کے دوران مسلمان ہو جائے یا سال گزرنے کے بعد مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

۲۔ موت

جزیہ کی ساقط ہونے والے اسباب میں سے دوسرا سبب موت ہے۔ موت کی وجہ سے بھی جزیہ کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۔ کتاب الاموال، مترجم ص: ۱۷۱

۲۔ کتاب الخراج، مترجم ص: ۳۳۵

۳۔ احکام اھل الذمہ، ۱/۱۲۲-۱۲۳

مالکیہ اور احناف کے نزدیک موت کی وجہ سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ چاہے سال کے دوران اس کی موت ہوئی ہو یا آخر میں جیساکہ

الھدایۃ میں ہے۔

"ومن أسلم وعليه جزية سقطت عنه وكذلك إذا مات كافرا".(1)

جو اسلام قبول کر لے اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح کافر کے فوت ہو جانے سے بھی جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

دلیل

جزیہ کفر پر اصرار کی وجہ سے بطور سزا عائد ہوا تھا لہٰذا عام حدود کی طرح جزیہ بھی موت کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔(2)

حنابلہ اور شوافع کے نزدیک موت کی وجہ سے جزیہ ساقط نہیں ہو گا جیسا کہ المغنی میں ہے۔

"إِنْ مَاتَ الذِّمِّيُّ بَعْدَ الحَوْلِ، لَمْ تَسْقُطْ الْجِزْيَةُ عَنْهُ".

سال گزرنے کے بعد اگر ذمی فوت ہو جائے تو جزیہ اس سے ساقط نہیں ہو گا۔

آگے مزید لکھتے ہیں

"وَلَنَا، أَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ، فَلَمْ يَسْقُطْ بِمَوْتِهِ، كَدُيُونِ الْآدَمِيِّينَ".(3)

ہمارے نزدیک (یہ جزیہ) قرض تھا جو اس کی زندگی میں اس پر واجب تھا پس یہ جزیہ اس کی موت کی وجہ سے آدمیوں کے دوسرے دیون کی طرح ساقط نہیں ہو گا۔

عبدالرحمان بن جنادہ جو حیان بن سُریج کے سیکرٹری تھے کہتے ہیں کہ حیان نے مجھے عمر بن عبدالعزیز کے پاس بھیجا اور اُن کی خدمت میں تحریری طور پر اس مضمون کا استفتاء بھجوایا۔

کیا مرنے والے قبطیوں کا جزیہ ان کے زندہ وارثوں سے وصول کیا جائے گیا؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ مسئلہ عبدالرحمان کی موجودگی میں عراک بن مالک سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا میں نے ان کے لیے کسی قسم کے عہد و پیمان کا نہیں سنا، یہ لوگ بزور قوت مغلوب ہوئے

۱۔ الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، ۴۰۳/۲

۲۔ الباجی، سلیمان، المنتقی شرح الموطا، مطبعۃ السعادۃ۔ الطبعۃ الاولی، ۱۷۶/۲

۳۔ المغنی، ۵۸۰/۱۰

ہیں ان کی حیثیت شکار کی سی ہے چنانچہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے جواباً حیان بن سُریج کو ہدایت نامہ جاری کیا کہ مرنے والوں پر واجب ہونے والا جزیہ ان کے پس ماندگان سے وصول کیا جائے[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ مرنے والے کے اہل خانہ سے وصول کیا جائے گا۔

جبکہ امام ابو عبید رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

لیکن ایک دوسری سند سے معقل بن عبید اللہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ہی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا!

''جو مر جائے یا بھاگ جائے اس پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا''۔

مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کا جزیہ اس کے بعد اس کے وارثوں سے نہیں لیا جائے گا گویا مرنے والے پر واجب الاداء جزیہ بمنزلہ قرض نہیں شمار ہوگا۔[2]

راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ موت کی وجہ سے بھی جزیہ ساقط ہو جائے گا چاہے سال کے دوران موت ہوئی یا سال گزرنے کے بعد، اسی طرح مرنے والے کے ورثاء سے بھی فوت شدہ کے جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ دو سال یا زیادہ کا جزیہ جمع ہو جانا

جزیہ کے ساقط ہونے والے اسباب میں سے ایک سبب تداخل بھی ہے۔ اس حوالے سے اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔

امام ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

"وَلَا تَتَدَاخَلُ الْجِزْيَةُ، بَلْ إذَا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ جِزْيَةُ سِنِينَ، اُسْتُوْفِيَتْ مِنْهُ كُلُّهَا".[3]

جزیہ میں تداخل نہیں ہے جب ذمی پر دو سال کا جزیہ جمع ہو جائے تو دو سالوں کا مکمل جزیہ ادا کرنا ہوں گے۔

احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ جزیہ میں تداخل نہیں ہے بلکہ ہر سال کا جزیہ لیا جائے گا۔ صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر ذمی پر دو سال جمع ہو جائیں

۱۔ کتاب الاموال، مترجم ص: ۱۷۲

۲۔ ایضاً، ص: ۱۷۲-۱۷۳

۳۔ المغنی، ۵۸۰/۱۰

تو دو جزیوں میں تداخل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جزیہ کفر پر اڑے رہنے کی سزا ہے اور سزاؤں کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کا اجتماع ہو جائے تو تداخل ہو جاتا ہے جیسے حدود کا معاملہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کئی لوگوں پر تہمت لگائی ہو اور اس پر کئی حد قذف واجب ہوئیں تو صرف ایک ہی مرتبہ اسے حد لگائی جائے گی اور حدود میں تداخل ہو جائے گا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جب جزیہ سزا ہے تو اجتماع جُزیٰ کے وقت تداخل ہو جائے گا۔

اسی طرح صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ خراج رأس یعنی جزیہ عوض بن کر واجب ہوا ہے اور اعواض اگر جمع ہو جائیں اور ان کی وصولیاں ممکن ہو تو انہیں وصول کر لیا جاتا ہے اور ان میں تداخل نہیں ہوتا اور صورت مسئلہ میں چوں کہ کئی سال کا جزیہ وصول کرنا ممکن ہے اس لیے ہر سال کا جزیہ وصول کیا جائے گا۔(1)

اس میں راجح قول یہ ہے کہ جزیہ میں تداخل نہیں ہے، ہر سال کا جزیہ وصول کیا جائے گا۔

۴۔ اندھا، اپاہج، بوڑھا ہونا

ایسے لوگوں سے بھی جزیہ کے ساقط ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

حنابلہ کے نزدیک سال پورا ہونے کے بعد جزیہ ساقط نہیں ہوگا اور اگر درمیان سال میں ان آفات میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے تو ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ سال پورا ہونے کے بعد ہی جزیہ واجب ہوتا ہے۔(2)

احناف کے نزدیک ان آفات میں مبتلا شخص سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ خواہ درمیان سال میں مبتلا ہو یا سال پورا ہونے کے بعد جبکہ امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ جو ذمی بھی ان آفات میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے اس سے جزیہ ساقط نہیں ہوگا۔ ہاں اگر محتاج ہو اور جزیہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ساقط ہو جائے گا۔(3)

دلیل یہ ہے کہ ابو جعفر جسر کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا وہ خط دیکھا جو انہوں نے عدی بن ارطاۃ کو بھیجا تھا یہ خط ہمیں بصرہ میں پڑھ کر سنایا گیا تھا اس کی عبارت یہ تھی:

> ”امابعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جزیہ لینے کا جو حکم دیا ہے وہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو اسلام قبول کرنے سے گریز کر کے سرکشی اور کھلے فساد کو منظور کرتے ہوئے کفر اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا تم ان میں سے جو جزیہ کا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے اس پر جزیہ لگا دو انہیں زمین آباد کرنے میں آزاد چھوڑ دو۔ کیونکہ اس میں ایک طرف تو معاشی مفاد ہے اور

۱۔ قاسمی، عبدالحلیم، احسن الھدایۃ ترجمہ وشرح اُردو ہدایۃ، مکتبہ رحمانیہ، ۱۴۱/۷

۲۔ کشاف القناع عن متن الِاقناع، ۱۲۱/۳

۳۔ ابوالفضل، عبداللہ بن محمود، الاختیار لتعلیل المختار، مطبعۃ الحلبی، ۱۳۵۶ھ۔ ۱۹۷۸م، القاھرۃ، ۱۳۸/۴

دوسری طرف انہیں اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں قوت حاصل ہوگی اور دیکھو تمہارے علاقے میں جو عمر رسیدہ کمزور اور کمائی سے لاچار ذمی ہوں ان کا بیت المال سے مناسب و حسبِ ضرورت وظیفہ مقرر کر دو اور اگر کسی مسلمان کا غلام بوڑھا ہو گیا ہو اس مسلمان آقا کا فرض ہے کہ وہ اس کی گزر بسر کا بندوبست کر دے تاآنکہ موت یا آزادی ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیں"۔

میں نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ مجھے امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ ایک ایسے بوڑھے ذمی کے پاس سے گزرے جو دربدر لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا تو انہوں نے کہ ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا تیری جوانی میں ہم تجھ سے جزیہ وصول کرتے رہے، پھر بڑھاپے میں تجھے اس طرح در در کا بھکاری بنا دیا۔ چنانچہ انہوں نے بیت المال سے اس کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق وظیفہ جاری کیا۔[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ایسا ذمی جو جزیہ کا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اس پر جزیہ عائد کیا جائے گا اور جو ذمی عمر رسیدہ، کمزور اور معذور ہو اور پھر کام کاج کرنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسے ذمی سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

۵۔ مجنون

ایسے ذمی جو مجنون (پاگل) ہوں اس سے بھی جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس پر جزیہ عائد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"ولا جزية على صبي، ولا زائل العقل، ولا امراة".[2]

بچے پر مجنون شخص پر اور عورت پر جزیہ نہیں ہے۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ آیتِ جزیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وهذا إجماع من العلماء على أن الجزية إنما توضع على جماجم الرجال الأحرار البالغين، وهم الذين يقاتلون دون النساء والذرية والعبيد والمجانين المغلوبين على

۱۔ کتاب الاموال، مترجم ص: ۱۶۷-۱۶۸

۲۔ المغنی، ۳۳۸/۹

عقولهم والشيخ الفاني". (1)

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جزیہ آزاد بالغ مردوں کے سروں پر لگایا جاتا ہے اور وہ وہی ہیں جو قتال کرتے ہیں نہ کہ عورتیں بچے اور غلام اور ایسے مجنون افراد جنکی عقلیں مغلوب ہوں اور بوڑھے افراد۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مجنون (پاگل) افراد پر کوئی جزیہ نہیں ہے۔

امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"وَأَمَّا شَرَائِطُ الْوُجُوبِ فَأَنْوَاعٌ: (مِنْهَا) الْعَقْلُ (وَمِنْهَا) الْبُلُوغُ (وَمِنْهَا) الذُّكُورَةُ، فَلَا تَجِبُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ وَالْمَجَانِينِ". (2)

جزیہ کی شرائط میں سے عقل بالغ اور مرد ہے بچوں عورتوں اور پاگل افراد پر جزیہ واجب نہیں ہوتا۔
فقہاء کی آراء کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجنون آدمی پر جزیہ عائد نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ ذمیوں کی حفاظت کے نہ ہونے سے جزیہ کا ساقط ہو جانا

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ذمیوں کی حفاظت کرے ان کو امن فراہم کرے ان کے حقوق کا خیال کرے اور اگر اسلامی ریاست ذمیوں کی حفاظت نہیں کر سکتی تو پھر ایسے ذمیوں سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

جیسا کہ امام بلاذری نے سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے حوالے سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

''جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ (ہرقل نے) فوجیں جمع کیں جو یرموک کی جنگ کے لیے ان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو انہوں نے اہل حمص کو وہ سارا خراج واپس کر دیا جو ان سے لیا تھا اور کہا کہ ہم دوسرے مشاغل کے باعث تمہاری نصرت و حفاظت سے معذور ہو گئے ہیں اب تم جانو اور تمہارا کام۔ اس پر اہل حمص نے کہا ہمیں تمہاری حکومت اور تمہارا عدل اس ظلم و جور سے بہت زیادہ محبوب ہے جس میں ہم تمہارے آنے سے قبل مبتلا تھے ہم ہرقل کی فوج کی مدافعت کریں گے اور تمہارے عامل کے ساتھ مل کر شہر کی حفاظت کریں گے۔ یہود نے

۱۔ الجامع لأحکام القرآن، ۱۱۲/۸

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۱۱۱/۷

کہا: تورات کی قسم ہر قل کا عامل حمص میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہمیں مغلوب نہ کرلے اور ہماری تمام کوششیں ضائع نہ ہو جائیں پھر انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے اور ان کی حفاظت کرنے لگے اور یہی ان شہروں کے یہود و نصاری نے بھی کیا جن سے صلح ہو چکی تھی، انہوں نے کہا اگر رومی اور ان کے ساتھی مسلمانوں پر غالب ہو گئے تو ہماری جو حالت تھی وہی پھر ہو جائے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے ہم اسی حالت میں رہیں گے پھر جب اللہ نے کافروں کو ہزیمت دی اور مسلمانوں کو غالب کیا تو انہوں نے اپنے شہروں کے دروازے کھول دیے اور مقلیسین (گانے بجانے والوں) کو ساتھ لے کر نکلے اور جشن منایا اور خراج ادا کیا"۔ (1)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اسلامی ریاست ذمیوں کو امن اور دیگر ضروریات زندگی فراہم نہ کر سکے ان کی حفاظت نہ کر سکے تو ذمیوں سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ذمیوں کو ان کا خراج واپس کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اب ہم تمہارا دفاع اور نصرت نہیں کر سکتے اب تم خود اپنا دفاع اور مدد کرو۔

ا۔ فتوح البلدان، مترجم ص: ۲۰۶

فصل سوم

جزیہ کے احکام

فصل سوم

جزیہ کے احکام

جزیہ غیر مسلموں سے لیا جانے والا ایک ٹیکس ہے جس کے بدلے انہیں تحفظ،امن فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ غیر مسلموں میں سے کس کس سے لیا جائے گا۔اہل کتاب: عرب اہل کتاب سے لیا جائے گا یا عجم اہل کتاب سے یا دونوں سے۔ پھر اسی طرح مشرکین ہیں،ان میں سے بھی عرب کے مشرکین سے لیا جائے گا یا عجم کے مشرکین سے یا پھر تمام مشرکین سے۔اسی طرح مجوسی، مرتد اور صابئہ وغیرہ ان تمام کے متعلق تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ جزیہ کس سے لیا جائے گا؟

اہل کتاب:

اہل کتاب چاہے عجم کے رہنے والے ہوں یا عرب کے سب سے جزیہ لیا جائے گا جبکہ کچھ علماء کے نزدیک عجم کے اہل کتاب سے جزیہ لینے پر تو اتفاق ہے عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لینے پر اختلاف ہے جیسا کہ امام ابن رشد رحمہ اللہ کہتے ہیں

"فان العلماء مجمعون على أنه يجوز أخذها من أهل الكتاب العجم ... واختلفوا ... وفيمن هو من أهل الكتاب من العرب".(1)

ترجمہ: علماء کا اجماع ہے کہ جزیہ عجمی اہل کتاب سے لینا جائز ہے اور عرب اھل کتاب کے سلسلے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"لا تقبل الجزية إلا من أهل الكتاب خاصة عربا كانوا أو عجما لهذه الاية فانهم هم الذين خصوا بالذكر".(2)

ترجمہ: جزیہ اہل کتاب سے لیا جائے گا چاہے وہ عربی ہوں یا عجمی دلیل یہی آیت ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خاص طور پر علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔

ا۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، ۱۶۶/۲

۲۔ الجامع لأحکام القرآن، ۱۱۰/۸

امام شافعی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ آیت جزیہ میں اہل کتاب سے جزیہ وصول کرنے کا حکم ہوا ہے۔اور یہ اہل کتاب کا لفظ مطلق ہے چاہے وہ اہل کتاب عرب کے رہنے والے ہوں یا عجم کے سب سے وصول کیا جائے گا۔

اور نبی کریم ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا۔

(أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ – يَعْنِي مُحْتَلِمًا – دِينَارًا، أَوْ عَدْلَهُ مِنَ المُعَافِرِيِّ ثِيَابٌ تَكُونُ بِالْيَمَنِ)(1)

ترجمہ: ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابری معافری کپڑا وصول کریں یہ کپڑا اسی علاقے میں لیا جاتا تھا۔

اسی طرح امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"فقد قبل رسول الله الجزية من أهل اليمن وهم عرب إذ كانوا أهل الكتاب".(2)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے اہل یمن سے جزیہ وصول کیا حالانکہ وہ عرب تھے اس لیے کہ اہل کتاب تھے۔

نبی کریم ﷺ کے فعل سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے عرب اہل کتاب سے جزیہ وصول کیا جو کہ یمن کے رہنے والے تھے اور پھر آپ ﷺ نے اہل نجران کے عیسائیوں سے بھی جزیہ وصول کیا جیسا کہ ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أول من اعطى الجزية أهل نجران، وكانوا نصارى".(3)

ترجمہ: سب سے پہلے اہل نجران نے جزیہ ادا کیا اور وہ نصاری تھے۔

اسی طرح امام ابن المنذر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

حدیث معاذ دلیل ہے اس بات پر کہ عرب سے جزیہ لیا جائے گا اور حدیث بریدۃ جس میں نبی کریم ﷺ جب کسی سریہ کو روانہ کرتے اور وہ لشکر والے اپنے دشمن کو جزیہ کی ادائیگی کی طرف بلاتے اور اس میں عجمیوں کو خاص نہیں کیا گیا۔اور اکثر اوقات نبی کریم ﷺ کے اہل عرب کے ساتھ غزوات ہوا کرتے

۱۔ سنن أبي داؤد، کتاب الخراج والفيء والامارة، باب في اخذ الجزية، رقم الحديث ۳۰۳۸

۲۔ کتاب الاموال، ص: ۳۵

۳۔ ایضاً

تھے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اسی پر اجماع ہو گیا اور صحابہ میں سے کسی نے بھی عرب اہل کتاب سے جزیہ کا انکار نہیں کیا۔[1]

ان تمام نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے جزیہ لیا جائے گا چاہے اہل کتاب عرب کے ہوں یا عجم کے۔

مجوس:

مجوسی سے جزیہ لینے کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان سے جزیہ لیا جائے گا۔ چاہے عرب ہوں یا عجم۔

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے مجوسی سے جزیہ نہیں لیا جب حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ نبی کریم ﷺ نے ھجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔[2]

امام ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ثبتت الجزية على اليهود والنصارى بالكتاب وعلى المجوس بالسنة".[3]

ترجمہ: یہود و نصاری سے جزیہ لینا قرآن سے ثابت ہے اور مجوس سے جزیہ لینا سنت سے ثابت ہے۔

اسی طرح امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"واجمعوا على أخذ الجزية من المجوس".[4]

ترجمہ: مجوس سے جزیہ لینے پر اجماع ہے۔

پتہ چلتا ہے کہ جب عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں انہوں نے مجوسیوں سے جزیہ نہ لیا تو پھر عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی دی کہ نبی کریم ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا اُن کو معاف نہیں کیا تھا تب عمر فاروقؓ نے بھی مجوسیوں سے بھی جزیہ لیا۔

۱۔ المغنی، ۳۳۲/۹

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب، الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الذمۃ والحرب، رقم الحدیث: ۳۱۵۶-۳۱۵۷

۳۔ شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، دار الحدیث مصر، ۱۴۱۳ھ۔ ۱۹۹۳م، الطبعۃ الاولیٰ، ۶۵/۸

۴۔ الاجماع، ص: ۶۲

مشرکین:

مشرکین سے جزیہ لینے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام اوزاعی اور مالکیہ کے نزدیک جزیہ لیا جائے گا۔

"توخذ الجزية من كل عابد وثن أو نار جاحد أو مكذب وكذلك مذهب مالك فانه رأى أن الجزية تؤخذ من جميع اجناس الشرك والجمه، عربياً أو عجمياً، تلبياً أو قرشيا كائن من كان: الالمرتد". (1)

ترجمہ: بتوں کی عبادت کرنے والے، آتش پرست، منکر، اور جھٹلانے والے سبھی سے ہی جزیہ لیا جائے گا اور اسی طرح امام مالک کا مذہب ہے کیونکہ ان کی رائے یہ ہے کہ مشرک اور انکار کی تمام اجناس سے جزیہ لیا جائے گا چاہے وہ عربی ہو یا عجمی تغلبی ہو یا قریشی جو بھی ہو سوائے مرتد کے۔ یعنی سب سے جزیہ لیا جائے گا۔

دلیل:

نبی ﷺ جب کسی لشکر پر یا کسی سریہ پر امیر مقرر کرتے تو اس کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دے دیتے پھر فرماتے اللہ کا نام لے کر جہاد کرو اور جب اپنے دشمن مشرکین سے ملو تو ان کو تین چیزوں کی طرف بلاؤ ان تینوں میں سے جو مان لیں تو تم بھی قبول کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو۔ (2)

اسی حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کا قول (عدوک من المشرکین) یا تو بت پرست اور ان کے جیسے دوسرے غیر اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے یا تمام کفار، اہل کتاب اور بت پرست سب کو عام ہے دونوں صورتوں میں مقصود حاصل ہے اور وہ بت پرستوں سے جزیہ قبول کرنا ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ ﷺ کا ارشاد اہل کتاب کو چھوڑ کر بت پرستوں کے ساتھ خاص ہو تو حدیث سے معلوم ہو گا کہ بت پرستوں سے جزیہ قبول کیا جائے گا اور اگر آپ ﷺ کا قول عام ہو تو بھی حدیث سے معلوم ہو گا کہ بت پرست اور اہل کتاب دونوں سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔

۱۔ الجامع لأحکام القرآن، ۱۱۰/۸

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب تأمیر الامام الأمراء علی البعوث ووصیتہ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، رقم الحدیث: ۴۵۲۲

اسی طرح امام شافعی اور امام احمد سے ایک قول کے مطابق ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں

"جزیہ صرف اہل کتاب سے وصول کیا جائے گا عربی ہوں یا عجمی دلیل یہی آیت ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خاص طور پر علیحدہ ذکر کیا گیا ہے پس حکم بھی صرف انہی کی طرف متوجہ ہوگا۔ ان کے سوا دوسروں کی طرف نہیں کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے۔ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾[1] مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو"۔[2]

امام شافعی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے علاوہ مشرکین سے کوئی جزیہ قبول نہیں ہوگا انہیں قتل کیا جائے گا۔

اور امام احمد سے مروی ہے کہ

"ان سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا اگر یہ اسلام قبول نہیں کرتے تو ان کو قتل کیا جائے گا"۔[3]

اسی طرح احناف کے ہاں

"مشرکین سے جزیہ قبول کیا جائے گا سوائے عرب کے مشرکین کے"۔[4]

یعنی عرب کے مشرکین سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا وہ اس لیے کہ مشرکین عرب کا کفر بڑا سنگین اور سخت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان ہی نشو و نما پائی قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا لہذا معجزان کے حق میں زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ یہ لوگ قرآن کے معانی و مفاہیم اور اس کی وضاحت و بلاغت اور اثر انگیزی سے زیادہ واقف تھے اور جس شخص کا کفر بڑا سنگین اور سخت ہوگا اس سے اسلام یا تلوار کے علاوہ کچھ قبول نہ ہوگا اسی لیے اللہ کا ارشاد ہے۔

﴿تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ﴾[5]

۱۔ سورۃ التوبۃ، ۹:۵

۲۔ الجامع لأحکام القرآن، ۸/۱۱۰

۳۔ المغنی، ۹/۳۳۲

۴۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۳/۲۷۷

۵۔ سورۃ الفتح، ۴۸:۱۶

ترجمہ: تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

اس سے پتہ چلا کہ مشرکین عرب کے سوا تمام مشرکین سے جزیہ لیا جائے گا۔ جبکہ بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام مشرکین سے لیا جائے گا چاہے عرب کے ہوں یا عجم کے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان (تم مشرکوں میں سے دشمن کے ساتھ جب ملو) سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکوں سے جزیہ لیا جائے۔

مرتد:

مرتد سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

((مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ))[1]

جس شخص نے اپنے دین کو بدل دیا اس کو قتل کر دو۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"جو شخص اپنے دین کو بدل دے اس دین سے مراد دین اسلام ہے اس لیے کہ حقیقی دین دینِ اسلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ﴾[2] اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔"[3]

معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

اسی طرح امام قرطبیؒ رحمہ اللہ امام مالک اور امام اوزاعی کا قول ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

سب قسم کے کافروں پر جزیہ ہو گا چاہے وہ بتوں کی عبادت کرنے والا ہو یا آتش پرست ہو مشرک ہو عربی ہو یا عجمی وغیرہ سوائے مرتد کے۔[4] (یعنی مرتد سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا)

امام قرطبیؒ نے مزید ابن وہب رحمہ اللہ کا قول بھی نقل کیا ہے۔

''مرتد کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول نہ کرے اور مرتد سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا''۔[5]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص دینِ اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کرتا ہے وہی مرتد ہوتا ہے

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لا یعذب بعذاب اللہ، رقم الحدیث: ۳۰۱۷

۲۔ سورۃ آل عمران، ۳: ۱۹

۳۔ نیل الاوطار، ۲۲۸/۷

۴۔ الجامع لأحکام القرآن، ۱۱۰/۸

۵۔ ایضاً

اور اس سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا اس کی سزا قتل ہے۔

صابئہ:

صابئہ کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔ بعض ان کو اہل کتاب میں سے مانتے ہیں اور بعض ان کو اہل کتاب میں سے نہیں مانتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بت پرست ہیں۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس حوالے سے ۷ اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ نصاریٰ کی ہی ایک قسم ہے۔

۲۔ امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے یہ نصاریٰ اور مجوس کے مابین ایک قوم ہے، ان کا کوئی دین نہیں۔

۳۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ کے مابین ایک قوم ہے۔

۴۔ حسن اور حکم کہتے ہیں یہ مجوس کے مشابہ ہیں۔

۵۔ ابو العالیہ کہتے ہیں یہ اہل کتاب میں سے ہی ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں۔

۶۔ قتادہ کہتے ہیں یہ ایسی قوم ہے جو قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتی ہے، فرشتوں کی عبادت کرتی ہے اور زبور پڑھتی ہے۔

۷۔ ابن زید کہتے ہیں یہ صرف لا الہ الا اللہ کہتے ہیں، ان کی کوئی کتاب اور کوئی نبی نہیں ہے۔[1]

ان سے جزیہ لینے کے بارے میں فقہاء کی آراء درج ذیل ہیں۔

"امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صابئہ سے جزیہ لیا جائے گا۔"[2]

"مالکیہ کے نزدیک کافر کتابی ہو یا غیر کتابی جزیہ عائد کیا جائے گا۔"[3]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ صابئہ نصاری میں سے ہیں۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ صابئہ یہود سے ہیں۔[4]

امام احمد کی دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ صائبہ اہل کتاب سے ہیں اور جس طرح اہل کتاب سے

۱۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، ۷۳/۱

۲۔ کتاب الخراج، مترجم ص: ۳۳۳

۳۔ الجامع لأحکام القرآن، ۱۱۰/۸

۴۔ المغنی، ۳۳۲/۹

جزیہ لیا جاتا ہے اسی طرح ان سے بھی جزیہ لیا جائے گا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"صابئہ مجوسی سے بہتر حالت میں ہیں، اور مجوس سے جزیہ لینا اس امر پر تنبیہ ہے کہ صابئہ سے بدرجہ اولی جزیہ لیا جائے گا، کیونکہ مجوس دین و مذہب کے لحاظ سے بدترین قوم ہیں، ان کے ہاں کوئی کتاب نہیں نہ کوئی مذہب، لہٰذا صابئہ کا شرک مجوس سے ہلکا نہ ہو تو اس سے سنگین بھی نہیں"۔ [1]

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مجوسیوں سے جزیہ لینا شریعت سے ثابت ہے جو کہ دین کے لحاظ سے بدترین قوم ہے، جو آگ کے پجاری ہیں، جن پر کوئی کتاب بھی نازل نہیں کی گئی تو پھر صابئہ سے بدرجہ اولی جزیہ لیا جائے گا۔

۲۔ جزیہ کی مقدار

جزیہ کی مقدار کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک

۱۔ مالدار آدمی پر ۴۸ درہم سالانہ، ہر ماہ ۴ درہم لیے جائیں گے

۲۔ متوسط آدمی پر ۲۴ درھم سالانہ ہر ماہ ۲ درہم لیے جائیں گے۔

۳۔ فقیر آدمی پر ۱۲ درہم سالانہ ہر ماہ ادرہم لیا جائے گا۔ [2]

مالکیہ کے نزدیک دو روایات ہیں:

۱۔ اہل ذہب پر ۴ دینار اور اہل ورق پر ۴۰ درہم [3]

۲۔ مالدار سے ۴۰ درہم یا ۴ دینار اور فقیر سے ۱۰ درہم یا ایک دینار [4]

شوافع کے نزدیک

"ہر ایک کے حق میں ایک دینار واجب ہے"۔ [5]

۱۔ احکام اھل الذمہ، ۲۴۲/۱

۲۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۲۷۷/۳

۳۔ بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، ۱۶۶/۲

۴۔ المغنی، ۳۳۲/۹

۵۔ ایضا

احناف کی دلیل

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عثمان بن حنیف کو کوفہ بھیجا تو اہل کوفہ پر ۴۸ درہم، ۲۴ درہم اور ۱۲ درہم جزیہ مقرر کیا''۔[1]

مالکیہ کی دلیل

''حضرت عمر نے اہل ذہب پر ۴ دینار اور اہل ورق پر ۴۰ درہم جزیہ مقرر کیا اور ساتھ طے کیا کہ وہ مسلمانوں کی ۳ دن مہمان نوازی بھی کریں''۔[2]

شوافع کی دلیل

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ - يَعْنِي مُحْتَلِمًا — دِينَارًا))

''نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر بالغ سے ایک دینار جزیہ وصول کرو''۔[3]

اس ساری بحث سے پتہ یہ چلتا ہے کہ جزیہ کی ایک متعین مقدار نہیں ہے بلکہ اس کو اہل علاقہ کی حیثیت کے مطابق لاگو کیا جائے گا۔ اس میں کمی بھی کی جاسکتی ہے اور ضرورت کے پیش نظر مال دار لوگوں پر بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔

جیسا کہ امام اثرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''ابو عبد اللہ یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ کیا جزیہ میں کمی پیشی کی جاسکتی ہے؟ تو امام احمد بن حنبل نے کہا ہاں، جزیہ میں کمی پیشی کرنا امام کی صوابدید پر ہے''۔[4]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ کی مقدار کا طے کرنا حاکم وقت پر ہے اور لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق لیا جاتا ہے اور پھر جس طرح ملکی حالات بدلتے رہتے ہیں اسی طرح حالات کے مطابق اس کو مالدار لوگوں پر بڑھایا بھی جاسکتا ہے اور کمزور لوگوں کو اس سے بالکل مستثنیٰ بھی کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ کتاب الاموال، ص: ۳۵

۲۔ ایضاً

۳۔ سنن ابی داود، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب فی اخذ الجزیۃ،، رقم الحدیث ۳۰۳۸

۴۔ المغنی، ۳۳۴/۹

۳۔ جزیہ کا وقت

جمہور فقہاء شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک

''جزیہ سال کے آخر میں ادا کیا جائے گا''۔[1]

دلیل:

نبی کریم ﷺ نے آیت جزیہ کے نازل ہونے کے بعد اہل ذمہ پر جزیہ عائد کیا تھا اور فوری ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ آپ ﷺ سال کے آخر میں اپنے قاصد روانہ کیا کرتے تھے۔ ''جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کا جزیہ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا تھا آپ ﷺ نے بحرین کے لوگوں سے صلح کی تھی اور ان پر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا تھا''۔[2]

۴۔ کس صورت میں لیا جائے گا؟

جزیہ میں وصول کیے جانے والے اموال:

اس کے وصول میں کوئی خاص مال متعین نہیں ہے بلکہ جس طرح سے بھی آسانی ہو اسی طرح لینا جائز ہے۔[3]

یہ تمام فقہاء کا اتفاقی مسئلہ ہے۔

دلیل:

حدیث معاذ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ - يَعْنِي مُحْتَلِمًا - دِينَارًا، أَوْ عَدْلَهُ مِنَ المُعَافِرِيِّ ثِيَابٌ تَكُونُ بِالْيَمَنِ))

''نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر یمنی کپڑے وصول کرنا''۔[4]

امام ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱۔ المغنی، ۳۳۶/۹

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب، الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الذمۃ والحرب، رقم الحدیث: ۳۱۵۸

۳۔ احکام اھل الذمہ، ۱۲۹/۱

۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب فی اخذ الجزیۃ، رقم الحدیث ۳۰۳۸

''یہ عبارت بتارہی ہے کہ انھوں نے دینار کی جگہ کپڑے وصول کیئے ان تمام باتوں کا مقصد ذمیوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا ہے اوران کے کسی سامان کو فروخت نہ کیا جائے لیکن قیمت میں جو آسان ہو اس میں سے لیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا(أو عدله من المعافر)آپ ﷺ عدل کہہ کر قیمت کی طرف اشارہ فرمایا''۔ (1)

اسی طرح علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر صنعت والے سے اس کے سامان میں سے لیا کرتے تھے۔ چنانچہ سوئی والے سے سوئی، مسان والے سے مسان اور رسی والے سے رسی وصول کرتے تھے۔

امام ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بطور جزیہ جو دراہم واجب ہوتے ان کی قیمت میں یہ سامان لے لیتے تھے ان کو مجبور نہیں کرتے تھے کہ سامان بیچ کر قیمت ادا کریں ایسا ان کے ساتھ نرمی اور تخفیف کی غرض سے کرتے تھے''۔ (2)

دوسری بات یہ ہے کہ جزیہ میں شراب اور خنزیر لینا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جزیہ میں شراب اور خنزیر کی قیمت لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ ذمی خود فروخت کر کے قیمت دے۔

جیسا کہ امام ابو عبید سوید بن غفلہ سے مروی حضرت عمر بن خطاب کی روایت لائے ہیں۔

''جناب سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب یہ اطلاع ملی کہ لوگ جزیہ میں سور لے رہے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ واقعی لوگ ایسا کر رہے ہیں تو حضرت عمر بن خطاب نے کہا ایسا نہ کرو بلکہ ان کی فروخت کا کام انہیں (ذمیوں) کے حوالے کر دو''۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ :

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے عاملین خراج میں خنزیر اور شراب وصول کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا تم ان سے یہ چیزیں نہ لو ان کی فروخت کی ذمہ داری ان (ذمیوں) پر ہی ڈال دو اور تم (ان چیزوں کے عوض) نقد قیمت وصول کرو''۔

۱۔ کتاب الاموال، ص:۵۶

۲۔ ایضاً، ص:۵۵

امام عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''مطلب یہ ہے کہ مسلمان ذمیوں سے اُن کے افراد پر عائد شدہ جزیہ اور اُن کی زمینوں پر عائد شدہ خراج کے عوض اس کے مساوی قیمت کی شراب اور سود مہیا کرتے تھے پھر مسلمان انہیں فروخت کر کے نقدرقم بنا لیتے تھے۔ان کے اس عمل کو حضرت بلالؓ نے ناپسند کیا اور اسی سے حضرت عمرؓ نے منع کیا لیکن بعد میں حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے کی اجازت اس شرط پر دے دی کہ ذمی انہیں فروخت کر کے ان کی قیمت ادا کرنے کی ضمانت لے لیں۔اس لیے کہ شراب اور خنزیر ذمیوں کے اموال کا ایک حصہ ہیں۔اگر یہ وہ مسلمانوں کے لیے مال کی حیثیت نہیں رکھتے''۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جزیہ کسی بھی صورت میں لیا جاسکتا ہے یعنی نقد رقم کی صورت میں بھی، کپڑوں کی صورت میں بھی، پھلوں وغیرہ کی صورت میں بھی الغرض جس علاقے میں جس چیز کا رواج ہو وہ چیز لی جاسکتی ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جزیہ میں حرام چیز وصول نہیں کرنی بلکہ حلال چیز ہی وصول کرنی ہے۔

''شوافع کے ہاں ذمیوں سے شراب اور خنزیر کی قیمت لینا بھی درست نہیں''۔[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

((إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ وَثَمَنَهَا، وَحَرَّمَ الْمَيْتَةَ وَثَمَنَهَا، وَحَرَّمَ الْخِنْزِيرَ وَثَمَنَهُ))[3]

ترجمہ: بے شک اللہ نے شراب اور اسکی قیمت کو، مردار اور اس کی قیمت کو اور خنزیر اور اس کی قیمت کو حرام قرار دیا ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ حجر اسود کے پاس بیٹھے آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور ہنس دیے پھر فرمایا

((لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ، ثَلَاثًا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّحُومَ فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا، وَإِنَّ اللَّهَ إِذَا حَرَّمَ عَلَى قَوْمٍ أَكْلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهُ))[4]

۱۔ کتاب الاموال، مترجم، ص: ۱۷۴

۲۔ الشربنی، محمد الخطیب، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، دار الفکر بیروت، ۲۵۳/۴

۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی ثمن الخمر والمیتۃ، رقم الحدیث ۳۴۸۵

۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی ثمن الخمر والمیتۃ، رقم الحدیث ۳۴۸۶

ترجمہ: اللہ یہودیوں پر لعنت کرے تین بار فرمایا، اللہ نے ان پر چربیوں کا استعمال حرام کر دیا تو انہوں نے اسے بیچنا شروع کر دیا اور اس کی قیمت کھانے لگے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ نے شراب اور خنزیر کو حرام کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیا ہے۔

۵۔ جزیہ کس طریقہ سے وصول کیا جائے گا؟

جزیہ کی وصولی میں نرم انداز اپنانا چاہیے۔ جزیہ کی وصولی کے وقت سختی سے گریز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں

''جزیہ وصول کرنے کی خاطر کسی ذمی کو مارا نہیں جائے گا نہ اسے دھوپ میں یا کسی اور جگہ کھڑا کیا جائے گا ان کو کسی طرح کی جسمانی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے گا''۔[1]

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"وَإِذَا أَخَذَ مِنْهُمْ الْجِزْيَةَ أَخَذَهَا بِإِجْمَالٍ وَلَمْ يَضْرِبْ مِنْهُمْ أَحَدًا وَلَمْ يَقُلْ لَهُمْ قَبِيحٌ وَالصَّغَارُ أَنْ يُجْرِيَ عَلَيْهِمْ الْحُكْمَ لَا أَنْ يُضْرَبُوا وَلَا يُؤْذَوْا".[2]

ترجمہ: جب ذمیوں سے جزیہ لیا جائے اچھے طریقے سے لیا جائے ان میں سے کسی ایک کو بھی مارا نہ جائے اور ان سے بری بات نہ کہی جائے اور صغار یہی ہے کہ ان پر اسلامی قانون لاگو ہوں اور نہ مارا جائے ان کو اور نہ ہی ان کو اذیت دی جائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں سے جزیہ لیتے وقت ان پر سختی نہ کی جائے ان کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور یہی ہمارے دین اسلام کی تعلیمات ہیں اور جس قدر نرمی کی جائے گی ممکن ہے یہی نرمی ان کو ہمارے دین کے قریب کر دے اور پوری تاریخِ اسلامی میں ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں ذمیوں سے جزیہ وصول کرتے وقت ان پر ظلم کیا گیا ہو۔

۱۔ کتاب الخراج، مترجم، ص: ۳۳۶

۲۔ الام، ۲۲۰/۴

۶- جزیہ کا مصرف

جزیہ کے مصارف کے حوالے سے امام ابن رشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''علماء کا اتفاق ہے کہ اس کی رقم بغیر کسی تعین کے مسلمانوں کے مشترک مفادات و مصالح میں صرف ہو گی جس طرح ان لوگوں کے نزدیک مال فئے کا حال ہے جو اسے امام کے اجتہاد پر چھوڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ فئے کا لفظ فئی کا اطلاق جزیہ ہی پر ہوتا ہے''۔ (1)

امام ابن رشد کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ مالِ فئی میں ہی شامل ہے جس طرح مالِ فئی مسلمانوں کے مشترکہ مفادات کے لیے بیت المال میں جمع ہوتا ہے اسی طرح جزیہ بھی مسلمانوں کے مشترکہ امور و مصالح کے لیے بیت المال میں جمع ہو گا اور پھر حاکم وقت کی صوابدید ہو گی کہ وہ ان اموال کو کس طرح سے رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ مسلمانوں کے امور کو چلاتا ہے۔

اسی طرح امام برھان الدین المرغنینانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔

''جزیہ مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرے جیسے سرحدوں کو مضبوط کرنا، پل بنوانا اور اسی میں سے مسلمانوں قاضیوں، عاملوں اور عالموں کو اتنا مال دے جو ان کے لیے کافی ہو اور اسی مال سے مجاہدین اور ان کی اولاد کو روزینہ بھی دے اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے۔ کیونکہ بغیر قتال کے یہ مال مسلمانوں کو ملا ہے اور بیت المال مسلمانوں کے مصالح کے لیے بنایا گیا ہے''۔ (2)

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ مال مسلمانوں کی ضروریات کے کے لیے خرچ کرے، مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے خرچ کرے، عالموں عاملوں اور اسی طرح جو دیگر ضروریات ہیں، آبی وسائل وغیرہ ان کے لیے خرچ کرے۔

۱۔ بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، مترجم، ص: ۵۱۹

۲۔ احسن الھدایۃ ترجمہ و شرح اُردو ہدایۃ، ۱۵۱/۷

باب سوئم

جزیہ پر غیر مسلموں کے اعتراضات کا جائزہ

فصل اول

جزیہ پر مستشرقین کے اعتراضات

فصل اول

جزیہ پر مستشرقین کے اعتراضات

اس فصل میں اعتراضات کو ذکر کرنے سے قبل استشراق کے حوالے سے تعریف و توضیح درج ذیل ہے۔

استشراق کی لغوی تعریف:

استشراق عربی زبان کا مادہ (ش۔ ر۔ ق) سے مشتق ہے۔ اور یہ باب استفعال سے مصدر ہے۔ باب استفعال کا خاصہ ہے کہ اس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا اردو ترجمہ شرق شناسی کیا گیا ہے۔(1)

شرف الدین اصلاحی اس (Orertalist) کے متعلق فرماتے ہیں:

> "یہ لفظ انگریزوں کا وضع کردہ ہے جس کے لیے عربی میں استشراق کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ لفظ (Orient) بمعنی مشرق اور (Orertalism) کا معنی شرق شناسی یا مشرقی علوم و فنون اور ادب میں مہارت حاصل کرنے کے ہیں۔ مستشرق سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو بہ تکلف مشرقی بنتا ہے۔"(2)

> "استشراق کا مادہ (ش۔ ر۔ ق) ہے جس کا مطلب ہے روشنی اور چمک اس لفظ کو مجازی معنوں میں سورج کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے شرق اور مشرق اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے سورج طلوع ہو۔"(3)

اس طرح جب (شرق) پر (ا۔ س۔ ت) کا اضافہ کر کے استشراق کیا جائے تو اس میں طلب کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں پھر مستشرقین کے تمام تر مقاصد آجاتے ہیں جس کے لیے وہ مشرق علوم و فنون کو سیکھنے کے بعد ان کو آگے بھی پھیلاتے ہیں۔ استشراق کا عام فہم مفہوم یہ ہے کہ جب بھی کوئی استشراق کا نام لیتا ہے تو اس سے مراد وہ یورپین مفکرین ہوتے ہیں جن کو اہل یورپ مستشرق کہتے ہیں۔

۱۔ محمد اکرم، تکملہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع اول ۲۰۰۲، دانشگاہ پنجاب لاہور، ۵۶۵/۱

۲۔ اصلاحی، شرف الدین، استشراق اور اسلام، معارف دار المصنّفین اعظم گڑھ ۱۹۸۶، ص: ۴۸

۳۔ لسان العرب، ۱۷۴/۱۰

اصطلاحی تعریف

مفکرین نے استشراق اور مستشرق کا جو اصطلاحی معنی و مفہوم بیان کیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

ایڈورڈ سید تحریک استشراق اور مستشرق کے حوالے سے لکھتا ہے:

"استشراق کے اصطلاح تعلیمی اداروں پر ایک لیبل کے طور پر استعمال ہوتی ہے اور مستشرق اس شخص کو کہتے ہیں جو مشرقی تمدن و تہذیب کے بارے میں پڑھاتا، لکھتا اور تحقیق کرتا ہو۔ یوں مشرقی لفظ انتھراپالوجسٹ، سوشیالوجسٹ اور ماہر تاریخ کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور ان لوگوں کی ان مساعی کو استشراق کا نام دیا جاتا ہے"۔(1)

فاروق عمر فوزی استشراق کے حوالے سے کہتے ہیں:

"استشراق ایک ایسا علم ہے جو مشرق کی زبانوں، علمی ورثہ، تہذیبوں، معاشروں، ماضی اور حال کے بارے میں بتلاتا ہے"۔(2)

اسی طرح المنجد میں مستشرق کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

"العالم باللغات والأدب والعلوم الشرقية والاسم الاستشراق".

زبانوں، ادب اور مشرقی علوم کے عالم کو مستشرق کہا جاتا ہے اور اس علم کا نام استشراق ہے۔(3)

مفکرین کی ان تمام تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا مقصد تحقیق کرنا، مختلف علوم و فنون، تہذیب و تمدن، مختلف زبانوں اور تاریخ و ادب اور گم شدہ اقوام کی تاریخ کی جستجو کی، ان کی تاریخ کا دقیق نظروں سے مطالعہ کرنا، زندہ اقوام کے بارے میں آگاہی حاصل کی ان کی ایجادات سے واقفیت حاصل کی ان کے علوم و فنون کو ترقی دی۔

تحریک استشراق کا پس منظر

یہود و نصاری ابتدائے اسلام ہی سے اسلام اور مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے رہے ہیں۔ یہ دشمنی تاریخ کے کسی دور میں ختم نہیں ہوئی۔ یہودیت و عیسائیت اور اسلام کے درمیان معاندانہ تعلقات قرآن و سنت اور تاریخ میں موجود ہیں، جیسا کہ یہود کے متعلق قرآن میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

1۔ Edward Wsaid, Orientalism, Routedge and Kegan Paul, London, 1978, page: 21.

۲۔ عمر فوزی، فاروق، الاستشراق والتاریخ الاسلامی، الاہلیۃ للنشر والتوزیع، عمان، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۸، ص: ۳۰

۳۔ المنجد فی اللغۃ والاعلام، المکتبۃ الشرقیۃ بیروت لبنان، طبع الثالثۃ والعشرون، ص: ۳۸۴

﴿ٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَعۡرِفُونَهُۥ كَمَا يَعۡرِفُونَ أَبۡنَآءَهُمۡۖ وَإِنَّ فَرِيقٗا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُونَ ٱلۡحَقَّ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں بلاشبہ ان میں ایک گروہ حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔

اس آیت مبارکہ کے تحت امام قرطبیؒ رحمہ اللہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

وروى أن عمر قال لعبد الله بن سلام: أتعرف محمدا ﷺ كما تعرف ابنك؟ فقال: نعم واكثر.[2]

حضرت عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن سلام سے کہا: تم محمد ﷺ کو اسی طرح جانتے ہو جیسے اپنے بیٹے کو جانتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں بلکہ اس سے زیادہ۔

یہی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے ایمان لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''ایمان لانے کے بعد اور یہودیوں کو خبر ہونے سے پہلے میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یہودی بہت جھوٹے اور بہتان طراز ہیں۔ اگر ان کو میرے مسلمان ہونے کا پتہ چل گیا تو بہتان اور عیب لگائیں گے۔ آپ مجھے خفیہ رکھتے ہوئے ان سے میرے بارے دریافت کریں۔ چنانچہ میں پردے میں رہا اور نبی کریم ﷺ نے یہودیوں سے میرے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا سردار، سردار کا بیٹا اور بہت بڑا عالم ہے جب یہ باتیں کہہ چکے تو میں باہر نکل آیا اور ان سے کہا: اے یہود اللہ سے ڈرو اور تمہارے پاس جو پیغام حق آیا ہے اسے قبول کرو۔ اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ آپ ﷺ کی صفات تورات میں لکھی پاتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں یہ سن کر انہوں نے مجھے کاذب ٹھہرانا شروع کر دیا اور ایمان نہ لائے''۔[3]

رہے عیسائی تو ان کی طرف سے دشمنی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا جس کا آغاز جنگ موتہ کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۴۶

۲۔ الجامع لأحکام القرآن، ۱۶۳/۲

۳۔ ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، دار الکتب العربی، ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰ء، ۱۵۸/۲-۱۵۹

بعض اہل علم کی رائے کے مطابق

"استشراق کا آغاز ۸ ہجری میں غزوہ موتہ سے ہوا ہے جس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین پہلی باقاعدہ جنگ لڑی گئی"۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ یہود و نصاری کے شروع دن سے ہی اسلام کے خلاف اپنے سینوں میں بغض لئے ہوئے تھے۔ اسی بغض و عداوت کا اظہار موقع بہ موقع مختلف ادوار میں ہوتا رہا ہے۔

لفظ مستشرق کا پہلی مرتبہ استعمال:

استشراق کا آغاز کب ہوا؟ لفظ مستشرق پہلی مرتبہ کب استعمال ہوا؟ اس حوالے سے اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔

ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی لکھتے ہیں:

"آرتھر جان آربری کے مطابق ۱۶۳۰ء میں پہلی مرتبہ لفظ مستشرق یونانی یا عیسائی کلیسا کے ایک پادری کے لئے استعمال ہوا"۔[2]

اسی طرح ڈاکٹر عمر بن براہیم کہتے ہیں:

"انگریزی زبان میں (Orientalist) کے لفظ کا پہلی دفعہ استعمال ۱۷۷۹ء میں ہوا"۔[3]

تحریک استشراق کے آغاز کے حوالے سے اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔

بعض کے خیال میں

"یہ تحریک دسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ جب فرانس کے ایک راہب جر بردی اور الیاک نے حصول علم کے لئے اندلس کا سفر کیا اور وہاں اشبیلیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم رہا اور بعد میں یورپ میں عربی علوم اور ریاضی کا سب بڑا عالم قرار دیا گیا اور بعد ازاں ۹۹۹ء تا ۱۰۰۳ء تک سلفستر ثانی کے لقب سے پاپائے روم کے منصب پر فائز رہا"۔[4]

۱۔ جلاء ادریس، محمد، الاستشراق الاسرائیلی فی المصادر العبریۃ، العربی للنشر والتوزیع القاہرہ، ۱۹۹۵ھ، ص: ۱۹

۲۔ الفیومی، محمد ابراہیم، الاستشراق رسالۃ استعمار، دار الفکر العربی ۱۹۹۳، ص: ۱۴۲

۳۔ عمر بن ابراہیم، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم و تفسیرہ، دار طیبۃ الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۲م، ص: ۲۳

۴۔ العقیقی، نجیب، المستشرقون، دار المعارف مصر، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۶۴م، ۱/۱۲۰

بعض کے خیال میں

''اس تحریک کا آغاز باقاعدہ آٹھویں صدی عیسوی میں اندلس کی فتح کے بعد ہوا جب یورپ سے نوجوان اندلس کی اسلامی سلطنت کی معروف جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنا شروع ہوئے''۔[1]

بعض کے نزدیک

''اس کا آغاز بارہویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا جب پہلی دفعہ قرآن مجید کا ترجمہ ۱۱۴۳ء میں لاطینی زبان میں ہوا''۔[2]

اسی طرح ایک رائے یہ بھی ہے:

''اس تحریک کا آغاز تیرہویں صدی عیسوی میں ہوا جب ۱۲۶۹ء میں الفونس دہم نے مریسلیا میں اعلیٰ تعلیم کا ادارہ قائم کیا جس میں ابو بکر الرقوطی کی سربراہی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص مقرر ہوئے۔ اس ادارے میں انجیل تلمود اور قرآن کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس صدی میں شاہ سسلی فریڈرک ثانی نے مائیکل سکاٹ کی سرکردگی میں دارالترجمہ قائم کیا اور بعض اسلامی علوم کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ فریڈرک نے ان ترجمہ شہرہ کتب کے کئی نسخے تیار کروا کے یورپ کی یونیورسٹیوں اور مختلف مدارس اور دیگر علمی اداروں میں تحفتاً ارسال کئے''۔[3]

اسی طرح بعض کہتے ہیں:

''تحریک استشراق کا آغاز ۱۳۱۲ء میں ہوا جب فینا میں کلیسا کی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ یورپ کی مختلف جامعات میں عربی زبان وادب کی تدریس کے لئے باقاعدہ چیئرز قائم کی جائیں''۔[4]

ان تمام مذکورہ اقوال میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تحریک استشراق کو یہ نام اگرچہ بعد میں ملا

۱۔ الاستشراق الاسرائیلی فی المصادر العبریۃ، ص: ۱۹

۲۔ الشرقاوی، محمد عبداللہ، الاستشراق الغارۃ علی الفکر الاسلامی، دار الھدایۃ القاھرۃ، ص: ۱۵

۳۔ البھی، محمد، الفکر الاسلامی الحدیث وصلتہ بالاستعمار العربی، مکتبہ وھبہ، الطبعۃ العاشرۃ، ص: ۵۳۲

۴۔ محمدی، محمود، الاستشراق والخلیفۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، دار المعارف، ص: ۱۸

ہے مگر اس کا آغاز بہت پہلے ہو گیا تھا۔اہل علم نے بھی تحریک استشراق کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی کو ہی قرار دیا ہے۔اس لئے کہ یوحنا دمشقی جو کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں بیت المال کا ملازم تھا۔ جبکہ بعد میں وہ ملازمت ترک کر کے فلسطین کے ایک گرجے میں بیٹھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کتب لکھنے لگا۔ جن میں ایک کتاب کا نام (محاورۃ مع المسلم) اور دوسری کا نام (ارشادات النصاری فی جدل المسلمین) تھا یہ دونوں کتابیں اس نے مسلمانوں کی تردیدیں لکھی تھیں۔[1]

جسٹس محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں

> "یہ دونوں تصنیفات اسی مقصد کے تحت لکھی گئی تھیں جس کے تحت مستشرقین نے تصنیفات کے انبار لگا دیئے ہیں۔اسی لیے ہم یوحنا دمشقی کی مساعی کو تحریک استشراق کا نقطہ آغاز قرار دے سکتے ہیں"۔[2]

اعتراضات

۱۔ جزیہ کا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنا تھا،ان کا خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کے لیے اسلام کا قبول کر لینا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا۔[3]

۲۔ جزیہ تذلیل و تحقیر پر مبنی اور غیر مسلموں کے اسلام قبول نہ کرنے کی سزا کے طور پر نافذ کیا گیا تھا۔[4]

۳۔ A dhimmi was not permitted to marry a muslim woman, nor enter into sexual connection with her. A muslim, however, could marry a dhimmi woman.

ذمی کو مسلمان عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے جبکہ ایک مسلمان کو ذمی عورت سے شادی کرنے کی اجازت ہے، کیسے؟[5]

۱۔ جمعہ، عثمان، مدخل لدراسۃ العقیدۃ الاسلامیۃ، مکتبۃ السوادی، للتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶م، ص: ۶۵

۲۔ ازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، ایڈیشن اول، ۱۴۱۸ھ، ۱۲۶/۶

3۔ Khadduri, Majid, Law in the Middle East, The William byrd press, Ing. Richmond, Virginia, Page: 363

4۔ Law in the Middle East, Page: 363

5۔ Ibid, Page: 363

۴۔ مستشرقین نے درج ذیل روایات کو بنیاد بنا کر ذمیوں کے لباس کے متعلق اعتراض کیا۔

(ذمیوں کے لباس پر اعتراض: مثلاً ذمیوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ لباس میں مسلمانوں کی مشابہت اختیار نہ کریں، مخصوص لباس کی پابندی کریں)۔

۵۔ جزیہ کی ادائیگی کے وقت ذمیوں کی گردنوں پر مہر لگانا۔[1]

1۔ Tritton, Arthur Stanly, Belief and Practices, London Bombay Calcutta, Madras, Page: 117 – 118

فصل دوم

مستشرقین کے مقاصد

فصل دوم

مستشرقین کے مقاصد

مستشرقین کے اعتراضات چاہے قرآن پر ہوں، حدیث پر ہوں یا سیرت پر یا دوسرے اسلامی علوم پر ان سب کے مقاصد ایک ہی ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ دین اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنا:

مستشرقین کی تحقیقات کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ اسلامی اقدار کو کمزور کیا جائے۔ دینِ اسلام کی تعلیمات کو مسخ کیا جائے۔اس بات کا اقرار ایک جرمن مستشرق ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''معاصر استشراقی جدوجہد کا مقصود دین اسلام کو باطل دین ثابت کرنا اور مسلمانوں کو دین میسحیت کی طرف راغب کرنا''۔ [1]

اسی طرح روڈی پارٹ بھی اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے:

''قرون وسطی میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد علوم اسلامیہ کی طرف اس لیے متوجہ ہوئی کہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی شخصیت کی مسخ کرسکے کیونکہ ان کا یہ ذہن بن چکا تھا کہ جو دین بھی میسحیت کے خلاف ہے،اس میں کوئی خیر نہیں ہوسکتی''۔ [2]

۲۔ عیسائیت کا فروغ:

مستشرقین کا دوسرا بڑا اور اہم مقصد عیسائیت کا پرچار کرنا ہے اور اسلام میں شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے۔

''یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں علوم اسلامیہ اور علوم عربیہ کا تعلیمی نصاب منہج اور طریق تدریس طے کرنے والے متعصب مستشرقین ہیں''۔ [3]

اسی طرح ایک اور مستشرقین یوہن فک کہتا ہے۔

"ان الاستشراق لم يكن عملا علميا محضا بل ان المراد منه هو الرد على الإسلام

۱۔ الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریۃ، ص: ۲۴

۲۔ علی محمد، إسماعیل، الاستشراق بین الحقیقۃ والتضلیل، دار الکلمۃ للنشر والتوزیع، القاہرۃ، الطبعۃ السادسۃ ۲۰۱۴م، ص: ۲۹

۳۔ المیدانی، عبدالرحمان بن حسن، اجنحۃ المکر الثلاثۃ، دار القلم دمشق، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۵۰ھ، ۲۰۰۰، ص: ۱۵۱

والتبشير بالنصرانية بين المسلمين". [1]

استشراق کوئی محض علمی تحریک نہیں بلکہ اس کا مقصد اسلام کا رد اور مسلمانوں کے مابین عیسائیت کی ترویج ہے۔

۳۔ علمی مقاصد:

مستشرقین کی تحقیق کے جہاں اور بہت سارے مقاصد ہیں وہاں ان کا ایک اور مقصد بھی ہے جس کو علمی مقصد کہا جاسکتا ہے۔ ''مستشرقین کی پوری تحریک علمی لبادے میں مصروف رہی، یونیورسٹیوں میں ان علوم کا اجراء، مدارس کا قیام، مختلف کتب کی تحقیق اوران کی اشاعت، مخطوطات کو جمع کرنا، عربی کتب کے مختلف زبانوں میں تراجم، مختلف موضوعات پر کتب تالیف کرنا وغیرہ۔ یہ اپنی انہی ان تھک کوششوں کی وجہ سے لائق تعریف ہیں۔ انھوں نے اس مقصد کو اس خوبی سے حاصل کیا کہ آج ساری دنیا حصول علم کے لیے ان کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ مستشرقین کو جتنی کامیابی علمی مقاصد کے حصول میں ہوئی اتنی کامیابی ان کو کسی دوسرے میدان میں حاصل نہیں ہوسکی۔ [2]

۴۔ اسلام کے غلبے کا خوف:

مستشرقین کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ مغرب میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکا جائے اور غیر مسلموں کو مسلمان ہونے سے بھی روکا جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے سب سے پہلے قرآن کے بارے میں کہا کہ جب تک قرآن موجود ہے کبھی بھی اسلام کو روکا نہیں جاسکتا اور غیر مسلموں کو مسلمان ہونے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ جیسا کہ ایک مستشرق کہتا ہے:

"يقول ''جلا دستون'' الزعيم البريطاني الذي احتلت بريطانيا مصر عام ١٨٨٢م في عهد وزارته: (مادام هذا القرآن موجودا فلن تسطيع أوربا بالسيطرة على الشرق بل ولا أن تكون هي نفسها في مامن)".

مستشرق ولیم گلاڈسٹن نے 1882ء میں کہا تھا کہ جب تک قرآن موجود ہے یورپ کے لیے مشرق کو مغلوب کرنا ممکن نہیں، بلکہ قرآن کی موجودگی میں یورپ کے لیے اپنے آپ کو حالت امن میں محسوس کرنا بھی درست نہیں ہے۔

۱۔ الاستشراق بین الحقیقۃ والتضلیل، ص: ۳٦

۲۔ فوزی، مصطفیٰ، الحیل والأسالیب فی الدعوۃ إلی التبشیر، دار النشر والتوزیع الاسلامی، الطبعۃ الأولی ۱۴۱۴ھ، ص: ۹

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مستشرقین قرآن مجید سے خاص طور پر کس قدر خائف تھے کہ ہم لوگ یعنی اہل یورپ بھی اُس وقت تک پر امن زندگی نہیں گزار سکتے جب تک قرآن موجود ہے، پُرامن زندگی گزارنے کے لیے لازمی ہے کہ قرآن مجید کو ختم کیا جائے اور جب قرآن ختم کردیں گے تب ہم لوگ صحیح معنوں میں پُرامن رہ سکیں گے اور بدلہ لے سکیں گے جیسا کہ ایک مستشرق کہتا ہے:

"ویقول الحاکم الفرنسي في الجزائر بمناسبة مرور مائة علی احتلالها: "يجب أن نزيل القرآن العربي من وجودهم، ونقتلع اللسان العربي من ألسنتهم، حتی ننتصر عليهم".

جزائر میں متعین فرانسیسی گورنر کہتا ہے۔ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ان کے وجود سے قرآن مجید کو کھرچ ڈالیں اور ان کی زبانوں سے عربی زبان کو اکھیڑ دیں اسی صورت میں ہم ان سے صحیح معنوں میں بدلہ لے سکتے ہیں۔ (1)

۵۔ اقتصادی مقاصد:

قدرت نے اہل مشرق کو بے شمار مادی وسائل سے مالا مال کیا ہے، اہل مغرب کے مشرقی ممالک کے ساتھ قدیم تجارتی تعلقات تھے۔ اس کا اندازہ ایک مستشرق "روبراخ" کے ان جملوں سے کیا جاسکتا ہے۔ "میں اس وقت کو اپنی چشم تخیل کے ساتھ کن حسین آرزوؤں سے دیکھ رہا ہوں جب (ہم بابل کے حسین علاقوں میں قیام پذیر ہونگے) ہر طرف درختوں کی خوب صورت قطاریں ہوں گی۔ سیاہ فام مقامی لوگ شمالی، عراق کے خوب صورت علاقوں کو ہماری خاطر خالی کر کے جنوب کے دور دراز علاقوں میں چلے جائیں گے۔ تاکہ ہم جرمنوں کے لیے کثرت سے گندم پیدا کریں۔"

مستشرق مذکور کے اس اقتباس کے بعد ان بات میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ اہل مغرب کی نظریں حرف ممالک شرقیہ کی دولت پر ہی نہیں بلکہ وہ ان علاقوں کے باشندوں کو بھی اپنا غلام دیکھنا چاہتے ہیں۔ (2)

اہل مغرب نے مسلم ممالک کی تکنیکی مہارت حاصل کرنے کے لیے اور اپنے معاشی مفادات اور تجارتی معاملات کو بہتر بنانے کے لیے بھی عربی زبان اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کیا۔ مسلم ممالک میں اپنے اثر و نفوذ کو بڑھایا اور مقامی طور پر ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ ان ممالک کے وسائل مکمل طور پر نہ سہی کسی حد تک اہل مغرب کے ہاتھوں میں چلے جائیں۔ مشرق کو اہل مغرب سونے کی چڑیا قرار دیتے تھے۔

۱۔ الاستشراق بین الحقیقۃ والتضلیل، ص: ۶۷

۲۔ ضیاء النبی، ۲۷۹/۶

مغرب جب صنعتی دور میں داخل ہوا تو اس کی نظر مشرق میں موجود خام مال کے ذخیروں پر تھی۔ اسی لیے تمام ممالک نے مختلف مشرقی ممالک میں اپنے اثر و نفوذ کو بڑھانے اور ان کو اپنی کالونیاں بنانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں ہر قسم کے غیر اخلاقی حربے استعمال کئے گئے اور آزادی، انصاف اور رحم و مروت کے تمام اصولوں کو فراموش کر دیا گیا۔

ایک انگریز ادیب ''سڈنی لو'' نے مغربی اقوام کے بارے میں اپنے ہم قوموں کا رویے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ''مغرب کی عیسائی حکومتیں کئی سالوں سے امم شرقیہ کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہیں اس سلوک کی وجہ سے یہ حکومتیں چوروں کے اس گروہ کے ساتھ کتنی مشابہت رکھتی ہیں جو پُر سکون آبادیوں میں داخل ہوتے ہیں ان آبادیوں کے کمزور مکینوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کا مال اسباب لوٹ کر لے جاتے ہیں کیا وجہ ہے کہ یہ حکومتیں ان قوموں کے حقوق پامال کر رہی ہیں جو آگے بڑھنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اس ظلم کی وجہ کیا ہے جو ان کمزوروں کے خلاف روا رکھا جا رہا ہے۔ کتوں جیسے اس لالچ کا جواز کیا ہے کہ ان قوموں کے پاس جو کچھ ہے وہ ان سے چھیننے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ عیسائی قوتیں اپنے اس عمل سے اس دعویٰ کی تائید کر رہی ہیں کہ طاقتور کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کمزوروں کے حقوق غصب کرے''۔ (1)

۶۔ سیاسی مقاصد

کچھ اسلام دشمن مصنفین اور مفکرین کی وجہ سے اور بدترین دشمن گردانتے تھے۔ ان کی ساری جدوجہد اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کرنے میں صرف ہو رہی تھی۔ جیسا کہ ''فلپ خوری حتی'' اپنے ہم مذہب لوگوں کے رویوں پہ اس طرح سے تبصرہ کرتا ہے۔

> "قرون وسطیٰ کے عیسائیوں نے محمد ﷺ کو غلط سمجھا اور انھیں حقیر کردار خیال کیا۔ ان کے اس رویے کے اسباب نظریاتی سے زیادہ معاشی اور سیاسی تھے۔ نویں صدی عیسوی کے ایک وقائع نگار نے ایک جھوٹے نبی اور مکار کی حیثیت سے آپ کی جو تصویر کشی کی تھی بعد

ا۔ الاستشراق وجہ الاستعمار الفکری، ص: ۱۰۸

میں اسے پرستی، آوارگی اور قزاقی کے شوخ رنگوں سے مزین کیا گیا۔ پادریوں کے حلقوں میں محمد ﷺ دشمن مسیح کے نام سے مشہور ہوئے۔"(1)

اسلام سے اور نبی کریم ﷺ سے اس دشمنی کے خوف نے یہود و نصاری کو ایک ایسے نہ ختم ہونے والے خبط میں مبتلا کر دیا جو اسلام کے خاتمے کے بغیر ختم ہونے والا نہیں تھا۔ گویا ان کو علم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو جنگ و جلال کے ذریعے سے ختم کرنا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ اس لئے انھوں نے جنگ و جلال کے بجائے، دیگر طریقوں سے مسلمانوں کو کمزور کرنے کا منصوبہ بنایا۔ طویل منصوبہ بندی کے ذریعے مسلمانوں کی قوت اور طاقت کی بنیادوں کو جان کر ان کو کمزور کرنیکی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف علاقائی، نسلی اور مسلکی تعصبات کو ہوا دینے کی بھی کوشش کی۔ اس طرح ایک طرف تو مسلمانوں ہر لحاظ سے کمزور ہو گئے اور دوسری طرف ان کے تمام وسائل پر یہود و نصاری کا قبضہ ہو گیا۔

ایک جرمن مفکر پول اشمید نے اپنی کتاب (الإسلام قوة الغد) میں تین چیزوں کو مسلمانوں کی شان و شوکت اور قوت کے عوامل قرار دیا ہے۔

۱ دین اسلام، اس کے عقائد، اس کا نظام اخلاق اور مختلف نسلوں، رنگوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں رشتہ اخوت استوار کرنے کی صلاحیت۔

۲ ممالک اسلامیہ کے طبعی وسائل

۳ مسلمانوں کی روزافزوں عددی قوت۔

مسلمانوں کی قوت کے یہ عوامل بیان کرنے کے بعد وہ کہتا ہے۔ "اگر یہ تینوں قوتیں جمع ہو گئیں۔ مسلمان عقیدے کی بناء پر بھائی بھائی بن گئے اور انھوں نے اپنے طبعی وسائل کو صحیح صحیح استعمال کرنا شروع کر دیا تو اسلام ایک ایسی مہیب قوت بن کر ابھرے گا۔ جس سے یورپ کی تباہی اور تمام دنیا کا اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا"۔

یورپ کو ان ممکنہ خطرات کی طرف متوجہ کرنے کے بعد وہ اہل یورپ کو دعوت دیتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے خلاف صیلبی جنگ کے لئے متحد ہو جائیں لیکن یہ جنگ ایسی ہو جو زمانے کے حالات سے مناسبت رکھتی ہو۔(2)

1۔ Islam a way of life, Page: 22-23

۲۔ الدھان، محمد، قوى الشر المتحالفة، دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع، المنصورة۔ الطبعة الثانية، ۱۹۸۸ م، ص: ۲۳-۲۴

فصل سوم

اعتراضات کے جوابات

فصل سوم

اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبرا

ا۔ جزیہ کا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنا تھا، ان کا خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کے لیے اسلام کا قبول کر لینا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا۔(1)

جواب:

اس اعتراض کے جواب کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر یہ بات ہوتی تو اتنی معمولی مقدار میں اور برائے نام ٹیکس نہ لیا جاتا۔ اگر یہ جبراً مسلمان بنانے کا ہی ذریعہ تھا تو پھر یہ بچوں اور عورتوں پر بھی لگایا جاتا۔ اگر یہ مسلمان بنانے کا ہی ذریعہ تھا تو پھر کسی بھی صورت میں اس کی وصولی میں نرمی نہ کی جاتی، اگر یہ مسلمان بنانے کا ہی ذریعہ تھا تو پھر کسی بھی صورت میں معاف نہ کیا جاتا۔

مولانا شبلی نعمانی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی جس کے ادا کرنے سے فوجی پر خطرہ خدمت سے نجات مل جاتی تھی۔ جس کی بنیاد نوشیرواں عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے، کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اسے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضائع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہیے۔ جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے ان کو اسلام نے جس قدر حقوق دیئے کون حکومت اس سے زیادہ دے سکتی ہے؟"(2)

اس طرح ڈاکٹر اوم پر کاش پرساد اس الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تقریباً چار سو سال تک رہی اور زیادہ تر زمانوں میں جزیہ وصول کیا گیا اس کے باوجود عہد قدیم سے چلے آئے مذہبی معتقدات اور مذہبی مقامات کی

1۔ Law in the Middle East, Page: 363

۲۔ مقالات شبلی، ۲۱۹/۱

اپنی حیثیت برقرار رہی، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جزیہ کی وجہ سے بڑے پیمانے پر مذہب کی تبدیلی کا عمل ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اسلام کے شیدائی اس کا بیان بڑھا چڑھا کر کرنے سے باز نہ رہتے۔"[1]

اسی اعتراض کے حوالے سے مشہور مستشرق تھامس آرنلڈ فرماتے ہیں۔

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عیسائیوں پر یہ جزیہ ان کے قبول اسلام سے انکار کے باعث لگایا جاتا تھا۔ مگر یہ خیال درست نہیں کیونکہ جزیہ کی ادائیگی میں وہ لوگ بھی دیگر ذمیوں کے ساتھ شریک تھے جو اپنے مذہب کی وجہ سے فوجی خدمت سرانجام دینے سے قاصر تھے اور جن کی حفاظت کی ذمہ داری جزیہ کے عوض مسلمان حکام پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ حیرہ کے باشندوں نے جزیہ ادا کرتے ہوئے اس بات کی خاص طور پر وضاحت کر دی کہ مسلمان اور ان کا حاکم ہمیں ظلم سے بچائے گا۔ خواہ ظالم مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔"[2]

اعتراض نمبر ۲

۲۔ جزیہ تذلیل و تحقیر پر مبنی اور غیر مسلموں کے اسلام قبول نہ کرنے کی سزا کے طور پر نافذ کیا گیا تھا۔[3]

جواب:

جزیہ دراصل اس ٹیکس کو کہا جاتا ہے جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا سے وصول کرتی ہے کہ وہ ان کے سیاسی، معاشرتی، مذہبی حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ اس ٹیکس کی وصولی کے بعد حکومت ان کی جان ومال، عزت وآبرو کی نگرانی کرتی تھی اور ایسا کرنا ان کے مذہبی فریضہ میں داخل تھا اور جو حکومت ان کی حفاظت کرنے سے قاصر رہتی اس کو جزیہ وصول کرنے کا حق نہ ہوتا تھا۔

آیت جزیہ ﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا۟ ٱلْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَـٰغِرُونَ﴾[4] میں لفظ ''ید'' اور ''صاغرون'' کے تحت مفسرین نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ مثلاً ذمی خود آکر جزیہ دے اس میں وہ کسی

۱۔ پرکاش پرساد، اوم، اورنگزیب ایک نیا زاویہ نظر، مترجم: فیضان رشید، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری ٹپنہ، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۰ء، ص: ۴۰-۴۱

۲۔ آرنلڈ، تھامس، دعوت اسلام، مترجم نعیم اللہ ملک، نشریات، ص: ۷۱

3۔ Law in the Middle East, Page: 363

۴۔ سورۃ التوبہ، ۹:۲۹

دوسرے کو اپنا نائب نہ بنائے۔ ذمی کھڑا ہو کر جزیہ ادا کرے اور لینے والے بیٹھ کر وصول کرے۔ ذمی اگر کسی دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا کر جزیہ دیکر بھیجے تو اس سے جزیہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بذات خود جزیہ لے کر آئے اور کھڑے کھڑے اسے ادا کرے جبکہ جزیہ لینے والا اہلکار بیٹھا ہو اور اسے کہے کہ اے اللہ کے دشمن جزیہ ادا کرو اور ساتھ ہی اس کی گردن پر تھپڑ بھی رسید کرے۔[1]

ان تمام مذکورہ اقوال کے حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ فقہاء کا اجتھاد ہے۔ آراء ہیں اور فقہاء کا اپنا اپنا فہم ہے۔ قرآن و حدیث کی نصوص نہیں ہیں۔ فقہاء کے اقوال و آراء میں غلطی کا امکان موجود ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث میں غلطی کا امکان موجود نہیں۔ دوسری بات یہ ہے ذمیوں سے جزیہ کی وصولی کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ حد درجہ نرمی کو اپنایا جائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے واقعات میں سے ایک واقعہ بھی ہمیں اسطرح سے نہیں ملتا کہ ذمیوں سے جزیہ کی وصولی میں سختی اور توہین آمیز سلوک کیا گیا ہو۔

چنانچہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اہل ذمہ سے جزیہ کی وصولی کے بارے فرماتے ہیں:

"اہل ذمہ سے جزیہ کی وصولی میں کسی کو مارا نہیں جائے گا۔ انہیں سورج کی گرمی، دھوپ میں کھڑا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان پر کوئی جسمانی تشدد کیا جائے گا بلکہ ان کے ساتھ جزیہ کی وصولی میں نرمی کی جائے گی۔"[2]

اسی طرح امام ابو یوسف نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

"عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کے سفر سے واپسی پر کچھ اہل ذمہ کو دیکھا کہ انھیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل انڈیلا جا رہا ہے۔ پوچھنے پر آپ کو بتایا گیا کہ جزیہ کی ادائیگی نہ کرنے پر انہیں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ جزیہ کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ ناداری بنائی گئی تو آپ نے فرمایا: پس انہیں چھوڑ دو اور انہیں ایسی چیز کا مکلف نہ ٹھہراؤ جسکی یہ طاقت نہیں رکھتے۔"[3]

اسی طرح امام ابو عبید رحمہ اللہ نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا خط نقل فرمایا ہے جس میں انہوں نے

۱۔ حصکفی، محمد بن علی بن الحصنی، الدر المختار شرح تنویر الابصار، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۲م، ۳۴۱/۱

۲۔ کتاب الخراج، مترجم: ، ص: ۳۳۶

۳۔ ایضا

بصرہ کے عامل عدی بن ارطاۃ کو ذمیوں سے جزیہ وصولی کے وقت نرمی کرنے کا حکم دیا ہے۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبد العزیز کا وہ خط دیکھا جو انھوں نے عدی بن ارطاۃ کو بھیجا تھا یہ خط ہمیں بصرہ میں پڑھ کر سنایا اس کی عبارت یہ تھی۔

"اما بعد اللہ تعالیٰ نے جزیہ لینے کا جو حکم دیا ہے وہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اسلام قبول کرنے سے گریز کر کے سرکشی اور کھلے خسارہ کو منظور کرتے ہوئے کفر اختیار کرتے ہیں۔ لہذا تم ان سے جو جزیہ کا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے اس پر جزیہ لگادو۔ انہیں زمین آباد کرنے میں آزاد چھوڑ دو۔ کیونکہ اس میں ایک طرف تو مسلمانوں کا معاشی مفاد ہے دوسری طرف انہیں اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں قوت حاصل ہوگی۔ اور دیکھو تمہارے علاقہ میں جو عمر رسیدہ، کمزور اور کمائی سے لاچار ذمی ہوں ان کا بیت المال سے مناسب و حسب ضرورت وظیفہ مقرر کر دو اور اگر کسی مسلمان کا غلام بوڑھا ہو گیا ہو اس کی قوتیں جواب دے چکی ہوں اور وہ کسب معاش کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس مسلمان آقا کا فرض ہے کہ وہ اس کی گزر بسر کا بندوبست کر دے۔

میں نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ مجھے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ ایک ایسے بوڑھے ذمی کے پاس سے گزرے جو در بدر لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ تو انھوں نے کہا کہ ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا، تیری جوانی میں تو ہم تجھ سے جزیہ وصول کرتے رہے پھر بڑھاپے میں تجھے اس طرح در در کا بھکاری بنا کر چھوڑ دیا چنانچہ انھوں نے بیت المال سے اس کے لئے اس کی ضرورت کے مطابق وظیفہ جاری کر دیا۔"(1)

ان تینوں واقعات سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جزیہ کی وصولی میں کس طرح نرمی کا حکم دیا گیا اور لاچار اور بے کس لوگوں کو بالکل جزیہ معاف کر دیا گیا۔ اور جو لوگ جزیہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ذمیوں کو سزا دے رہے تھے۔ فوراً امیر المؤمنین کے حکم پر ان لوگوں کو چھوڑ دیا گیا۔

جزیہ کی وصولی میں نرمی کی وضاحت کے لیے ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی

۱۔ کتاب الاموال، مترجم: ص، ۱۸۶-۱۶۷

ذمی سالانہ جزیہ کی ادائیگی کی مقررتاریخ سے صرف ایک دودن قبل بھی اسلام قبول کرلیتاہے تواس سے پورے سال کا جزیہ معاف ہو جائے گا۔[1]

امام ابن القیم نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ

"اگر ذمی پر دوسال کا جزیہ باقی ہے تو وہ اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کرلیتاہے تو دونوں سال کا جزیہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔"[2]

اعتراض نمبر ۳:

A dhimmi was not permitted to marry a Muslim woman, nor enter into sexual connection with her. A Muslim, howeve, could marry a dhimmi woman.

ذمی کو مسلمان عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے جبکہ ایک مسلمان کو ذمی عورت سے شادی کرنے کی اجازت ہے، کیسے ؟[3]

جواب:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام نے زندگی کے ہر ہر موڑ پر راہنمائی فرمائی ہے۔ نکاح کے حوالے سے بھی اسلام کی تعلیمات بالکل دوٹوک ہیں۔ کہ ایک مسلمان مرد اہل کتاب میں سے یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرسکتاہے۔ جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِٱلْإِيمَٰنِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُۥ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ﴾[4]

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں ہیں اور ان لوگوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔ جنھیں کتاب دی گئی اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور مومن عورتوں میں سے

۱۔ کتاب الخراج، مترجم: ص: ۳۳۶

۲۔ حکام اھل الذمہ، ۱/۱۷۶

3۔ Law in the Middle East, Page: 363

۴۔ سورۃ المائدہ، ۵:۵

پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاکدامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی جب تم ان کو ان کے مہر دے دو اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو بدکاری کرنے والے نہیں ہو اور نہ چھپی آشنائیں بنانے والے اور جو ایمان سے انکار کرے تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے۔

اس آیت میں لفظ محصنت لا کر آگاہ کیا گیا کہ اہل کتاب میں سے بھی وہ عورتیں جو پاک دامن ہوں نہ کہ بدکارہ عورت جو کہ انسان کے ایمان کو بھی تباہ کر ڈالیں اور پھر یہ بیان کیا گیا آخر میں کہ ان سے شادی کر کے ایمان کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ غیر مسلم بیوی سے متاثر ہو کر اپنے ایمان و اخلاق کو چھوڑ کر کفر کی راہ پر چل پڑے۔ اب غیر مسلم مرد مسلمان عورت سے شادی اس لیے نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کو حکم دیا کہ تم اپنی عورتوں کا نکاح کسی بھی مشرک مرد سے نہ کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟﴾ (1)

اور نہ (اپنی عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اب یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کو حکم ہے وہ مسلمان عورت آزاد ہو یا غلام اسے مشرک کے نکاح میں دینا جائز نہیں اور یہ مشرک چاہے بت پرست ہو یا یہودی ہو یا عیسائی ہو یا آتش پرست یا دھریہ وغیرہ کسی سے بھی مسلم عورت کا نکاح جائز نہیں۔ امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"امت کا اس بات پہ اجماع ہے کہ کسی بھی مسلمان عورت کا کسی غیر مسلم کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا"۔ (2)

مولانا عبدالرحمن کیلانی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

"مرد اور عورت کے درمیان نکاح کا تعلق محض شہوانی تعلق ہی نہیں، جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے بلکہ اس تعلق کے اثرات بڑے دور رس ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے دماغ، اخلاق اور تمدن پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ مثلاً ایک مؤمن ایک مشرکہ سے نکاح کرتا ہے تو اگر وہ مومن اپنے ایمان میں پختہ، علم میں بیوی سے فائق تر اور عزم کا پکا ہو گا تو اس صورت میں وہ اپنی بیوی کی اور کسی حد تک اپنے سسرال والوں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ ورنہ عموماً یوں ہوتا ہے کہ مرد

۱۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۲۱

۲۔ الجامع لأحکام القرآن، ۲/۳، ۷۲

مغلوب اور عورت اس کے افکار پر غالب آجاتی ہے۔ اور اگر دونوں اپنی اپنی جگہ پکے ہوں تو ان میں ہر وقت معرکہ آرائی ہوتی رہے گی۔ اور اگر دونوں ڈھیلے ہوں تو وہ دونوں توحید اور شرک کے درمیان سمجھوتا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور یہ صورت اسلامی نقطہ نظر سے قطعاً گوارہ نہیں اور ایسی صورت کو بھی شرک ہی قرار دیا گیا ہے اور اگر مرد مشرک اور بیوی موحد ہو تو شرک کے خطرات مزید بڑھ سکتے ہیں۔ لہذا نقصان کے احتمالات زیادہ ہونے کی بناء پر ایسے نکاح کو ناجائز قرار دیا گیا اور فرمایا کہ ظاہری کمال و محاسن دیکھنے کی بجائے صرف ایمان ہی کو شرط نکاح قرار دیا جائے"۔(1)

مولانا عبدالرحمن کیلانی کی اس وضاحت سے درج ذیل باتیں اخذ کی جاتی ہیں:

۱. اگر ایک مومن مشرکہ سے شادی کرتا ہے تو مومن اگر ایمان میں پختہ ہو گا تو وہ اس صورت میں اپنے اہل و عیال کی کسی حد تک اصلاح کر سکتا ہے۔ اور اگر مومن ہی اپنے ایمان میں پختہ نہ ہو، ایمان میں کمزور ہو تو پھر وہ اپنی بیوی اور گھر والوں کی اصلاح تو دور کی بات ہے اپنے ہی ایمان کو بچالے تو بڑے نصیب کی بات ہے۔

۲. اگر ایک مشرک مرد ہو اور اس کی بیوی مومنہ ہو، ایک طرف بت پرست شخص ہو اور دوسری طرف ایک اللہ کو ماننے والے عورت ہو تو پھر شرک کے مزید خطرات بڑھ سکتے ہیں۔ مومنہ عورت اس مشرک آدمی کے نظریات سے متاثر ہو سکتی ہے اسی وجہ سے اللہ رب العالمین نے اس نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مولانا غلام رسول سعیدی اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیا ہے اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیا، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عائلی اور گھریلو زندگی میں مرد حاکم ہوتا ہے اور اس کا گھر میں قبضہ اور اقتدار ہوتا ہے اور عورت فطرتاً منفعل مزاج اور گھر میں محکوم ہوتی ہے۔ اگر کسی یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمان عورت اپنے کافر شوہر کے معتقدات اور خیالات سے متاثر ہو جاتی اور اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتی۔ اس کے برعکس جب شوہر مسلمان ہو اور بیوی یہودی یا عیسائی ہو تو چونکہ گھر میں حاکم اور مقتدر شوہر ہوتا ہے اس لئے گھر میں اسلامی ماحول اور لٹریچر فراہم ہو گا اور اس اہل کتاب عورت کو اسلام کو قریب سے دیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا، اسلامی معاشرہ، اسلام کی تہذیب اور مسلمان خاندان سے میل جول اور ربط وضبط کی وجہ

۱۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، مکتبۃ السلام، وسن پورہ لاہور، ۱/۱۶۹-۱۷۰

سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بہت ذرائع میسر ہوں گے اور وہ جلد یا بہ دیر مسلمان ہو جائے گی اور اگر بالفرض وہ مسلمان نہ بھی ہو تو بچے بہر حال باپ کے دین کے تابع رہیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام مواقع دار الاسلام میں ہی میسر ہوتے ہیں"۔(1)

خلاصہ یہ نکلا کہ مسلمان مرد اہل کتاب کے علاوہ کسی اور مذہب کی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اور اسی طرح ایک مسلمان عورت کا نکاح بھی کسی غیر مسلم مرد کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ چیز اسلام کی سربلندی کے خلاف ہے اور اسلام سب سے سچا اور بلند دین ہے۔ اسلام سے سچا اور بلند دین روئے زمین پر کوئی نہیں۔

اعتراض نمبر ۴

۴۔ مستشرقین نے درج ذیل روایات کو بنیاد بنا کر ذمیوں کے لباس کے متعلق اعتراض کیا۔

(ذمیوں کے لباس پر اعتراض: مثلاً ذمیوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ لباس میں مسلمانوں کی مشابہت اختیار نہ کریں، مخصوص لباس کی پابندی کریں)۔(2)

جواب:

مستشرقین نے درج ذیل روایات کو بنیاد بنا کر ذمیوں کے لباس پر اعتراض کیا۔ کہ ان کے لئے مخصوص قسم کا لباس کیوں؟

امام ابو یوسف رحمہ اللہ لباس کی پابندیوں کو ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول کو نقل کرتے ہیں۔

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو حکم دیا تھا کہ اہل ذمہ اس خاص قسم کے لباس کی پابندی کریں تاکہ ان کی ہیئت و شکل مسلمانوں کی ہیئت سے ممتاز ہو۔"(3)

اس طرح امام ابو عبید رحمہ اللہ علیہ اسی حوالے سے روایت نقل کرتے ہیں۔

"اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کے متعلق حکم دیا کہ ان کی پیشانیوں کے بال کاٹ دیے جائیں اور جب وہ سوار ہوں تو نمدوں پر بیٹھیں اور سواری پر عرضاً سوار ہوں اور مسلمانوں کی طرح سواری پر نہ بیٹھیں"۔

۱۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، ۸۴۷/۱

2۔ Belief and Practices, Page: 117

۳۔ کتاب الخراج، مترجم: ص: ۳۴۶

مزید فرماتے ہیں کہ

"خلیفہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضہ اللہ عنہ نے کہا اے یر فا ملک کے تمام بڑے شہروں کے اہل کتاب باشندوں کے متعلق یہ ہدایت نامہ جاری کر دو کہ ان کی پیشانیوں کے بال کاٹے جائیں کہ وہ اپنی کمر پر پیٹیاں باندھیں تاکہ مسلمانوں کے طرز لباس سے ان کا طرز لباس جداگانہ حیثیت رکھے اور وہ پہچانے جا سکیں"۔ (1)

یہ وہ روایات ہیں جن میں مذکور پابندیوں پر اعتراض کیا گیا ہے۔اس حوالے سے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اس کو منسوب کرنا محل نظر ہے۔ مشہور مستشرق (اے۔ ایس۔ ٹرٹین) لکھتا ہے کہ ذمیوں کے جن معاہدوں کو حضرت عمر فاروق کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ان معاہدوں میں جو پابندیاں ذکر کی گئی ہیں وہ بلاذری اور طبری جیسے مستند مورخین نے ان کو ذکر نہیں کیا وہ لکھتا ہے:

The treaties given by tabari and baladhuri do not mention dress.If, as is argued by caetani in the case of jerusalem, these treaties are later fabrications, the absence of any mention of dress makes one suspect even more strongly that Umer did not issue the commands.

"وہ معاہدے جن کا ذکر مورخ طبری اور بلاذری نے کہا ہے ان میں اہل ذمہ کے مخصوص لباس کا ذکر نہیں کاتانی نے یروشلم کے معاملے میں جو دلائل دیے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ پابندیاں بعد کی ملاوٹ ہیں ان معاہدوں کے اندر لباس کے معاملہ میں کسی قسم کا ذکر نہ ہونے سے اس امر کا قوی احتمال موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایات نہیں دی تھیں۔"(2)

اے۔ایس ٹرٹین کی اس بات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف غلط منسوب کیا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضہ اللہ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض ہم اس کو درست تسلیم کر بھی لیں تو یہ پابندیاں، ذمیوں کو خاص

۱۔ کتاب الاموال، مترجم: ص:۱۷۸

2۔ Tritton, Arthur Stanley, The capihs and their non-muslim subjects, Oxford University Press, London Bombaycalcutta, madras ,1930. Page:115

قسم کے لباس کے ساتھ خاص کر دینا صرف امتیاز اور پہچان کے لئے تھا نہ کہ تذلیل و تحقیر کے لئے جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"جہاں تک ان کی امتیازی ہیت و لباس کا تعلق ہے تو عہد نبوی ﷺ میں ان پر اس طرح کی کوئی پابندی نہ تھی اس کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک حکم ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ امیر کوفہ خالد بن عرفطہ کے پاس ایک نصرانی عورت آئی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس نے بتایا کہ اس کا شوہر اس کے عیسائیت چھوڑنے کی وجہ سے اس پر تشدد کر رہا ہے اور اس پر اس نے گواہی بھی پیش کر دی جس پر خالد بن عرفطہ نے اس کے خاوند کو بلا کر پٹائی کے ساتھ اس کا سر بھی سزا کے طور پر منڈوا دیا اور دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی اس نصرانی نے امیر المومنین سے اس بات کی شکایت کی تو آپ نے خالد بن عرفطہ سے اس معاملے کی تحقیق کی اصل صورت حال معلوم ہونے پر آپ نے فرمایا اس جرم کا فیصلہ وہی ہے جو تونے کیا ہے اس کے بعد آپ نے تمام شہروں کے حکام کی طرف لکھ بھیجا کہ ذمی آئندہ پیشانیوں کے بال کٹوا کر رکھیں اور مسلمانوں جیسا لباس نہ پہنیں اس لیے کہ لوگوں کے درمیان پتہ چل سکے کہ مسلمان کون ہے اور غیر مسلم کون ہے۔"(1)

اسی طرح علامہ ابن عابدین بھی لباس کی پابندی کی وجہ اور حکمت بیان کرتے ہوتے کہتے ہیں۔

"جب اہل ذمہ اہل اسلام کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کی کوئی ضروری علامت ہوتا کہ ان کے ساتھ عزت و بزرگی کے اعتبار سے مسلمان کا معاملہ نہ کیا جائے اور یہ چیز شرعی لحاظ سے جائز نہیں اور پھر بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی اچانک راستے میں حادثاتی طور پر مر جاتا ہے اور جب اس کی پہچان نہیں ہو پاتی تو اس پر نماز جنازہ پڑھ دی جاتی ہے۔"(2)

اسی طرح مستشرق اے ایس ٹرٹین بھی اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ذمیوں پر لباس کی پابندی ان کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے تھی، ان کی یہ پہچان کے لئے تھی نہ کہ تذلیل و تحقیر کے لئے۔ وہ لکھتا ہے۔

ا۔ احکام اھل الذمہ، ۱/۱۸۳

۲۔ ابن عابدین، محمد امین، رد المختار علی الدر المختار، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲م، الطبعۃ الثانیۃ، ۴/۲۰۶

The object of the rules about dress was to distinguish the christian from the arab, this is definitely stated by both abu yousaf and ibn abdul hakam, two of the earliest writers whose works have come down to us. at the time of the conquest there was no need to command the christians to dress differently from the arabs, they did so. it was only later, as the arabs grew civilized, that there was any temptation for their subjects to imitate their costume.

"لباس کے حوالے سے ان قوانین کا مقاصد صرف عیسائیوں کو عربوں سے ممتاز کرنا تھا، یہ بات دو قدیم ترین مصنفین ابو یوسف اور ابن عبدالحکیم جن کا علمی کام ہم تک پہنچا ہے نے پورے وثوق و یقین سے بیان کی ہے۔ فتح کے وقت اس چیز کی ضرورت نہ تھی کہ عیسائیوں کو یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ عربوں سے مختلف لباس پہنیں اور اس لیے انھوں ایسا کیا۔ اس امتیازی لباس کی ضرورت بعد میں پیش آئی جب عرب تہذیب یافتہ ہو گئے تو ان کی غیر مسلم رعایا کے لیے اس بات کی ترغیب ہو سکتی تھی کہ وہ ان کی لباس کی نقل اتارے۔"(1)

المختصر یہ کہ لباس کے حوالے سے جتنی بھی پابندیاں تھیں وہ ذمیوں کی پہچان کے لیے، دوسروں سے ان کو ممتاز رکھنے کے لیے اور وقتی تقاضوں کے پیشِ نظر تھیں نہ کہ تذلیل و تحقیر کے لیے۔

اعتراض نمبر ۵

۵۔ جزیہ کی ادائیگی کے وقت ذمیوں کی گردنوں پر مہر لگانا۔(2)

جواب:

اہل ذمہ کی گردنوں پر مہر لگانے کے حوالے سے مستشرقین نے درج ذیل روایت کو بنیاد بنایا، گویا اس میں بھی ذمیوں کی تذلیل و تحقیر ہے۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے جرنیلوں کے نام فرمان جاری کیا کہ ذمیوں کی گردنوں پر مہر لگاؤ۔"(3)

پہلی بات یہ ہے کہ اس اعتراض کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ لغو اور فضول بات کی گئی ہے۔ اس

1۔ The capihs and their non-muslim subjects, ,1930. Page:115

2۔ Belief and Practices, Page: 117

۳۔ کتاب الاموال، مترجم: ص: ۱۷۸

حوالے سے دوسری بات یہ ہے کہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اجتہادی اور وقتی حالات کے پیشِ نظر فیصلہ تھا، نہ کہ ذمیوں کی تذلیل و تحقیر کے لیے فیصلہ کیا تھا۔ تیسری بات یہ کہ یہ مہر جزیہ وصول کرنے کے بعد توڑ دی جاتی تھی۔

جیسا کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

"مناسب ہوگا کہ جزیہ کی وصولی کے زمانے میں ان لوگوں کی گردنوں پر مہر لگادی جایا کرے جب سب کی پیشی ختم ہو جائے تو یہ مہریں توڑ دی جائیں۔"(1)

اسی طرح ڈاکٹر علی حسن خربوطلی لکھتے ہیں:

"جزیہ کی ادائیگی کے وقت باز نطینی رومیوں کی پیروی میں گردنوں پر مہر کا طریقہ جو مسلمانوں نے اختیار کیا۔ تشدد یا تذلیل کی علامت نہیں بلکہ یہ جاننے کا ایک ذریعہ تھا کہ ٹیکس کس نے ادا کر دیا اور کس نے نہیں۔ چونکہ اس وقت طباعت نہ تھی اس لیے جزیہ کی ادائیگی ثابت کرنے والی اور جعل سازی کے امکانات سے مبرا رسیدیں بنانا اس وقت ممکن نہ تھا اسی لیے بعض ایشیائی اور افریقی ممالک بیسویں صدی میں بھی انتخابات کے اندر یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ووٹ دہندگان کے ہاتھوں پر ایک طرح کی مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ کوئی شخص ایک سے زیادہ مرتبہ ووٹ نہ ڈال سکے اور یہ مہر دو تین دن سے پہلے ہاتھوں سے زائل نہیں ہوتی تھی۔"(2)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جزیہ کی ادائیگی کے وقت ذمیوں کی گردنوں پر مہر کا طریقہ مسلمانوں نے ایجاد نہیں کیا بلکہ ان سے پہلے روم کے حکمران بھی اسی طرح کرتے تھے۔

مسلمان حکمران صرف اس لیے مہر لگایا کرتے تھے کہ کس نے جزیہ ادا کر دیا ہے اور کس کا جزیہ ادا کرنا باقی ہے جس کا جزیہ وصول ہوتا تو مہر بھی ختم کر دی جاتی۔

۱۔ کتاب الخراج، مترجم: ص: ۳۴۵

۲۔ خربوطلی، علی حسنی، الاسلام واہل الذمۃ، المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیۃ۔ مصر، ۱۳۸۹ھ، ۱۹۶۹ء، ص: ۷۲

باب چہارم

مسلم ممالک میں جزیہ کی تنفیذ اور عصر حاضر

فصل اول

مسلم ممالک میں جزیہ کے تنفیذی اصول

فصل اول

مسلم ممالک میں جزیہ کے تنفیذی اصول

دین اسلام نے ساری انسانیت کے لیے امن کا منشور پیش کیا ہے اسلام بلا تفریق سب انسانوں کے لیے اپنے دامن میں سمونے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اس کی نگاہ میں کوئی قوم یا قبیلہ پست نہیں ہے۔ اسلامی اخوت صرف عقیدے کی بنیاد پر قائم ہے۔ اسلام میں جہاد و قتال غیر مسلموں کے خلاف نہیں بلکہ صرف سرکش قوتوں کے خلاف مشروع ہوا ہے۔ اگر جارح دشمن بھی کبھی عداوت ترک کر کے مصالحت پر آمادہ ہوں تو ان کی یہ پیشکش قبول کرنے کا حکم ہے اسلام اپنے عقائد کے پرچار پر اکتفا کرتا ہے اس بارے کسی پر جبر کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو لوگ اسلام قبول نہ کریں مگر اسلامی ریاست میں مطیع اور رعیت بن کر رہنا چاہیں تو ان کی یہ پیشکش بھی قبول کی جاتی ہے اور مسلم حکومت کے زیر سایہ انہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اسی تحفظ کے عوض ان سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔

نبی ﷺ غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرتے رہے اور صحابہ کو بھی ان سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح نبی ﷺ کے کچھ ایسے خطوط ملتے ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے مطلق طور پر ان لوگوں کو جزیہ معاف کر دیا جیسا کہ اہل مقناہ اور بنی جنبہ کے ساتھ معاہدہ ہوا۔ معاہدہ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من جانب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بنام بنی جنبہ واہل مقناہ

واضح ہو کہ

ان قریوں کے رہنے والوں کی مجھے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ تم اپنے اپنے مواضعات میں لوٹ آئے ہو۔

1۔ میرا یہ خط موصول ہونے کے بعد تم دونوں پناہ میں ہو خدا اور رسول کی۔

2۔ رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ تمہارے قصور معاف کر دیے ہیں۔ مگر یہ کہ اب تم خدا اور رسول ﷺ کی پناہ می ہو تم پر کوئی قوم ظلم اور زیادتی نہیں کر سکتی۔

3۔ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لیے اجناس، اسلحہ اور غلاموں ی جو حد بندی کر دی ہے اس کے سوا جملہ اسلحہ جات خدا کے رسول اور ان کے مقرر کردہ محاصل ان کے حوالے

کردو اور مندرجہ ذیل اشیاء میں سے ایک چوتھائی اجناس سالانہ سرکاری خزانے میں جمع کرو۔ کھجوروں کی پیداوار میں سے، شکار کردہ مچھلی میں سے، عورتوں کے ہاتھ کا کتا ہوا شوت ان کے عوض میں یہ مرعات ہوں گی۔ جزیہ کی مطلق معافی، ہر قسم کی سرکاری بیگار سے نجات۔ اگر تم نے اس فرمان کی تعمیل کی تو خدا کے رسول پر تمہارے معززین کی توقیر اور تمہاری معمولی لغزش سے چشم پوشی واجب ہوگی۔

میں مومن اور مسلم دونوں قسم کے دوستوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ اس پر صاد کرے۔ جو کوئی ان کی طرف سے سرکشی اور تمرد پائے اس کا انسداد کرے۔ اب اہل مقناہ پر یا تو خود ان کا اپنا پسندیدہ سردار ہوگا یا اللہ کے رسول ﷺ کا مقرر کردہ

والسلام

محرر: علی ابن ابی طالب

۹ ہجری"(1)

اس معاہدہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو اپنی حفاظت، اپنی پناہ میں لیا اور ان سے کہا کہ تم اجناس، اسلحہ اور دیگر چیزوں میں سے چوتھائی حصہ سرکاری خزانے میں جمع کروادو۔ اس کے بدلے میں تم سے جزیہ کو معاف کردیا جائے گا اور تمہارے معزز کی عزت کی جائے گی۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا اہل حنین، اہل خیبر اور اہل مقناہ کے ساتھ معاہدہ ہوا۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے وحی الٰہی کے ذریعے تمہارا گھروں میں آنے کا پتہ چلا تو ضرور لوٹ جاؤ۔ اب تم، تمہاری آل اولاد، تمہارا دین، تمہارے غلام اور تمہاری تمام چیزیں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہیں۔ تمہیں یہ مراعات دی جاتی ہیں۔ تمہاری درخواست پر تمہاری مدد کی جائے گی۔ تمہیں گھڑ سواری کی اجازت ہوگی، فوجی مہم میں شرکت سے تمہیں استثناء حاصل ہوگا، تمہیں عام ذمیوں کے درجے میں نہیں سمجھا جائے گا۔ اسلامی لشکر تم پر حملہ آور نہی ہوگا، فوجی ضرورت کے پیش نظر تمہارے گھر خالی نہیں کروائے جائیں گے، تم پر ناحق بے حیائی کا الزام نہیں لگایا جائے گا۔ تمہارے جنازے لے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی، تمہارا کوئی فرد بھی سفر پر ہوا تو وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہوگا، اسلام قبول کرنے پر کسی پر زبردستی نہیں کی جائے

ا۔ حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، مترجم مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، جون ۲۰۰۵ء، ص: ۷۲

گی، اس کے ساتھ ساتھ تم سے جزیہ بھی معاف کر دیا جائے گا اور تم میں سے جو شخص بھی دین حق (اسلام) کو قبول کرے گا اس کے احکامات پر عمل کرے گا تو اس کے لیے پچاس دینار وظیفہ مقرر کیا جائے گا اسی طرح جو شخص اہل خیبر، اہل حنین اور اہل مقناہ کے ساتھ بھلائی کرے گا اُس کو بہتر بدلہ دیا جائے گا، اور جو شخص برائی کرے گا تو اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ اسی طرح آخر میں نبی کریم ﷺ نے ایک تاریخی بات کی کہ جو شخص بھی میرا خط پڑھے یا اس کو سنے اور پھر اس میں کچھ ردوبدل کر دے یا اس کی مخالفت کرے تو ایسے شخص پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام جہان والوں کی لعنت ہو گی اور ایسا ملعون شخص قیامت والے دن میری سفارش سے محروم ہو گا۔ بلکہ میں قیامت والے دن ایسے شخص کا دشمن ہوں گا اور جس کا میں دشمن ہوں گا اللہ بھی اس کا دشمن ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو دوزخ کا ایندھن بنائے گا۔[1]

ان خطوط سے جو نبی کریم ﷺ نے مختلف قبائل کے نام لکھے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں نبی کریم ﷺ نے دیگر قبائل سے جزیہ لیا وہاں کچھ قبائل ایسے بھی تھے جن کو بالکل جزیہ معاف کر دیا گیا اور اگر ان خطوط کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ جزیہ شرعاً فرض نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے عرب کا ایک قبیلہ بنی تغلب ہے جو شجاعت و بہادری میں بڑا معروف اور بے نظیر ہے۔ اس قبیلہ سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب جزیہ لینا چاہا تو انہوں نے اس جزیہ کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوئے انکار کر دیا۔ نعمان بن زرعہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا بنو تغلب عرب ہیں۔ جزیہ کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس نقد زر و مال نہیں ہے بلکہ زمینیں اور مویشی ہیں۔ اپنے دشمن کو زک پہنچانے اور تباہ کرنے میں یہ شہرت رکھتے ہیں۔ آپ انہیں منتشر کر کے ان کے ذریعے اپنے دشمنوں کو تقویت حاصل کرنے کا موقع نہ دیجئے۔ چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات پر صلح کر لی کہ ان سے دُگنا صدقہ لیا جائے۔[2]

اس واقعہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر غیر مسلم اس جزیہ کا انکار کریں تو پھر جزیہ کے علاوہ کسی اور نام سے ٹیکس لیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رہے کہ اس حکم کا تعلق بنی تغلب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جب بھی کسی قوم سے ایسے حالات کا سامنا ہو تو جزیہ کا یہی حکم ہو گا۔ جیسا کہ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"فَإِنْ وُجِدَ هَذَا فِي غَيْرِهِمْ، فَامْتَنَعُوا مِنْ أَدَاءِ الْجِزْيَةِ، وَخِيفَ الضَّرَرُ بِتَرْكِ مُصَالَحَتِهِمْ،

۱۔ سیاسی وثیقہ جات، ص: ۷۳ تا ۷۶

۲۔ کتاب الاموال، ص: ۱۴۵

فَرَأَى الْإِمَامُ مُصَالَحَتَهُمْ عَلَى أَدَاءِ الْجِزْيَةِ بِاسْمِ الصَّدَقَةِ، جَازَ ذَلِكَ، إذَا كَانَ الْمَأْخُوذُ مِنْهُمْ بِقَدْرِ مَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ الْجِزْيَةِ أَوْ زِيَادَةً". [1]

اگر یہی صورت بنو تغلب کے علاوہ کسی اور میں بھی پائی گئی۔ پس کوئی قوم جزیہ سے انکار کر دے اُس قوم سے ترک مصالحت میں ضرر کا اندیشہ ہو امام اس قوم کی مصالحت کی صورت جزیہ صدقہ کے نام سے دینے میں دیکھے تو جائز ہے جب کہ ان سے جو چیز لی جا رہی ہے وہ واجب جزیہ کی مقدار کے برابر یا زیادہ ہو۔

اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں۔

"عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

ایک یہ کہ اگر غیر مسلموں کی کوئی جامعت (جو مفتوح ذمیوں کی حیثیت نہ رکھتی ہو) جزیہ دینے میں عار محسوس کرے تو اسلامی حکومت اس سے ان کو بری قرار دے سکتی ہے اور اس کی جگہ کوئی ایسی دوسری شکل اختیار کر سکتی ہے جس پر وہ راضی ہوں، بشرطیکہ وہ اسلام کے کسی اصول کے خلاف نہ ہو اور بیت المال کو اس سے نقصان نہ پہنچ رہا ہو۔

دوسری یہ کہ اگر غیر مسلموں کی کوئی جماعت فوجی یا سیاسی یا صنعتی یا کسی اور پہلو سے کوئی خاص اہمیت رکھتی ہو اور اندیشہ ہو کہ اگر ان کو مطمئن نہ کیا گیا تو دشمن ان سے فائدہ اٹھائے گا تو اسلامی حکومت ان کی تالیف قلب کے لیے ان کو ایسی رعائتیں دے سکتی ہے جن سے کتاب و سنت کے کسی اصول کی خلاف ورزی نہ لازم آتی ہو۔"[2]

اس سے بھی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ کے علاوہ غیر مسلموں سے کوئی اور ٹیکس بھی لیا جا سکتا ہے جو اس کے برابر یا اس سے دُگنا ہو۔

اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ جزیہ میں مساوی اشیاء یا ان کی قیمت کو وصول کر لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ عراق، شام اور مصر کے حوالے سے امام ابو عبید روایت نقل کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عراق میں آباد ذمیوں سے جزیہ میں چاندی لینا طے کیا کیونکہ عراق میں چاندی کا رواج تھا اور آپ نے شام اور مصر کے ذمیوں سے سونا جزیہ میں لینا طے کیا کیونکہ ان علاقوں میں سونے

۱۔ المغنی، ۱۰/۵۸۴

۲۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی ریاست، دار التذکیر، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۸۵

کا رواج تھا۔ سونا رکھنے والوں پر ۴ دینار اور چاندی رکھنے والوں پر ۴۰ درہم مقرر کیا گیا۔[1]

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریق کار تھا کہ جزیہ میں نقدی کی بجائے اونٹ لے لیا کرتے تھے۔

اسلم (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام) کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے پاس بکثرت مویشی جزیہ کے مویشیوں میں آئے تھے۔[2]

اسی طرح امام ابن ابی شیبہ روایت نقل کرتے ہیں۔

(أَنَّ عُمَّالَ عُمَرَ كَتَبُوا إِلَيْهِ فِي شَأْنِ الْخَنَازِيرِ وَالْخَمْرِ، يَأْخُذُونَهَا فِي الْجِزْيَةِ، فَكَتَبَ عُمَرُ: أَنْ وَلُّوهَا أَرْبَابَهَا)[3]

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ بعض عمال نے شراب اور خنزیر کے بارے میں لکھا ہے کہ کیا وہ یہ چیزیں جزیہ میں قبول کر لیں تو حضرت عمر نے لکھا کہ ان چیزوں کی فروخت ان کے مالکوں کے سپرد کر دو یعنی وہ فروخت کر کے قیمت بطور جزیہ دے دیں۔

امام ابن قدامہ ان آثار سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وَيَجُوزُ أَخْذُ ثَمَنِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ مِنْهُمْ عَلَى جِزْيَةِ رُءُوسِهِمْ، وَخَرَاجِ أَرْضِهِمْ، احْتِجَاجًا بِقَوْلِ عُمَرَ هَذَا؛ وَلِأَنَّهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ الَّتِي نُقِرُّهُمْ عَلَى اقْتِنَائِهَا وَالتَّصَرُّفِ فِيهَا، فَجَازَ أَخْذُ أَثْمَانِهَا مِنْهُمْ، كَثِيَابِهِمْ".[4]

ذمیوں سے جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج میں شراب اور خنزیر کی اس دلیل پر حضرت عمر کا یہ قول ہے کہ ان کی فروخت ان کے حوالے کر دو اور ان کی قیمت سے جزیہ لو کیونکہ یہ ان کے اموال سے ہے ہم ان کو اور ان کے تصرف کو برقرار رکھیں گے۔ پس ذمیوں کی ملکیت سے ان اموال کی قیمت لینا جائز ہو گا جیسے ان سے کپڑے لیے جائیں۔

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جزیہ میں نقدی کی جگہ چاندی، سونا، مویشی وغیرہ لینا بھی جائز ہے

۱۔ کتاب الاموال، مترجم: ۱۶۰

۲۔ ایضاً: ۱۶۷

۳۔ ابن شیبہ، ابو بکر، المصنف فی الاحادیث والآثار، کتاب الزکوۃ، باب فی الخمر تعشیر ام لا؟، رقم الحدیث، ۱۰۷۹۹، مکتبہ الرشد، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۹ھ

۴۔ المغنی، ۵۹۲/۱۰

اور اسی طرح شراب اور خنزیر کی قیمت لینا بھی درست ہوا۔ اس لیے کہ شراب اور خنزیر غیر مسلموں کے اموال میں سے ہے جبکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ مال نہیں ہیں۔ تو وہ غیر مسلم ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت ادا کرتے ہوئے جزیہ دیں۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ جس علاقے میں جس جس چیز کا رواج ہے نقدی کی جگہ اس چیز کو بھی وصول کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن بھیجتے ہوئے کہا تھا کہ اے معاذ تم ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر یمنی کپڑا وصول کرنا۔[1]

یمنی کپڑے وصول کرنے کا اس لیے کہا گیا کہ یمن میں کپڑے کا کاروبار تھا اور اس کا رواج تھا۔

اسی طرح ہم اس کی روشنی میں یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں جزیہ میں نقدی کی جگہ کوئی اور ٹیکس جو کسی بھی نام سے ہو ذمیوں سے لیا جا سکتا ہے۔ جس طرح جزیہ میں مویشی، سونا، چاندی کپڑے وغیرہ وصول کیے جا سکتے ہیں اسی طرح کسی اور نام سے ٹیکس بھی عائد کیا جا سکتا ہے۔

الغرض دور حاضر میں جتنے بھی اسلامی ممالک ہیں جن میں ترکی، سعودی عرب اور دیگر اسلامی ممالک ہیں کسی میں بھی غیر مسلموں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ جزیہ اگر عائد کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں۔

> "یہ وہی وجہ ہے جس کے باعث کوئی بھی حکومت عوام پر ٹیکس عائد کیا کرتے ہیں۔ ٹیکس کا مقصد لوگوں کو رفاہِ عام کے کاموں اور حکومت کی دیگر سرگرمیوں جیسے عدلیہ، پولیس، سڑکیں بنانے، پل تعمیر کرانے اور اپنی مسلم، غیر مسلم رعایا کو مناسب زندگی کی کفالت جیسے فرائض پر اٹھنے والے اخراجات کی ادائیگی میں شریک کرنا ہے۔ ان سب میں مسلمان کو صدقہ فطر کے علاوہ اپنے اموال، کاروبار، مویشیوں، کھیتوں اور پھلوں وغیرہ کی زکاۃ ادا کر کے شریک ہوتے ہی ہیں۔ اگر غیر مسلموں سے ایک معمولی رقم کی صورت میں حصہ لینے کو کہا جائے تو کوئی تعجب نہیں"۔[2]

اور اگر غیر مسلموں پر جزیہ عائد نہیں کیا جاتا تو تب بھی کوئی حرج والی بات نہیں کیونکہ ہر اسلامی ملک میں عوام سے ٹیکس لیا جاتا ہے اور ٹیکس لیا ہی رفاہ عامہ کے لیے اور عوام کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے جاتا ہے۔

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب فی اخذ الجزیۃ، رقم الحدیث ۳۰۳۸

۲۔ اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق و فرائض، ص: ۵۱-۵۰

فصل دوم

پاکستان میں جزیہ کی تنفیذی صورتیں

فصل دوم

پاکستان میں جزیہ کی تنفیذی صورتیں

پاکستان میں اقلیتوں کی صورتحال

پاکستان میں کافی تعداد میں مذہبی اقلیتیں پائی جاتی ہیں۔ان میں ہندو، عیسائی پارسی، یہود اور سکھ وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستان میں غیر مسلم اقلیتیں پبلک ملازمتوں، عدلیہ اور تعلیمی اداروں میں مناسب نمائندگی رکھتے ہیں۔ پروفیسرز، ڈاکٹرز اور انجینئرز کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔

تعلیم کے میدان میں غیر مسلم اقلیتیں وہ تمام سہولیات حاصل کرتی ہیں جو مسلم طلباء کو دی جاتی ہیں۔ مذہب، قوم یا عقیدے کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ فنی تعلیم کے اداروں میں اقلیتوں کا الگ کوٹہ مختص ہے۔ اس کے علاوہ مخصوص اداروں میں خصوصی تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں۔ جس میں ان کی مذہبی زبان، الہامی کتب، ویدوں کا فلسفہ اور علم ادویات وغیرہ شامل ہیں۔ اچھوتوں کو بھی تعلیمی میدان میں مساوی مواقع حاصل ہیں۔ اور سرکاری تعلیمی اداروں میں ان کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کیا جاتا ہے۔

ہندو اقلیت کے حوالے سے احمد سلیم لکھتے ہیں:

> "ہندوؤں کی اکثریت مشرقی پاکستان میں آباد تھی اور مغربی پاکستان میں سندھ اور بلوچستان میں کافی تعداد میں آباد ہیں۔ مشرقی پاکستان کے نمایاں ہندو رہنماؤں میں بوبو بھوبانی شنکر بسواس سب سے نمایاں تھے۔ وہ گورنر کے وزراء کونسل کے لیے وزیرِ صحت تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے اہم رہنما مسٹر بھوپیش چندر انندی، مسٹر کھاگندرا چندرا چکرورتی، مسٹر سنیل باسو، ڈاکٹر ایم این ننذی، مسٹر ڈی این براری، ڈاکٹر جی سی ڈیو، مسٹر بی ایس بسواس، مسٹر زاشراج منڈل اور مسٹر نالی سینگپتا تھے۔ تحریک پاکستان میں چندو لعل ڈپٹی سیکرٹری پنجاب اسمبلی کے عہدہ پر فائز رہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد قائدِ اعظم نے جو پہلی کابینہ تشکیل دی اس میں جوگندر ناتھ منڈل کو جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کے اولین صدر مقرر کئے گئے تھے۔ پاکستان کا پہلا وزیر قانون مقرر کیا۔ قانون کے ساتھ ساتھ انہیں تعلیم اور محنت کے اہم شعبے بھی دیئے گئے"۔(1)

۱۔ احمد سلیم، پاکستان اور اقلیتیں، مکتبہ دانیال، ۲۰۰۰ء، ص ۳۸۶

عیسائی:

پاکستان میں عیسائیوں کی صورت حال کے حوالہ سے احمد سلیم لکھتے ہیں:

"پاکستان میں سب سے بڑی مذہبی اقلیت عیسائیوں کی ہے جو پاکستان کو پوری آبادی کا ۱۵ء۱ فیصد ہیں۔ ان کا کردار قیام پاکستان سے ہی نمایا اور اہم نوعیت کا رہا ہے۔ عیسائی یہاں کئی نسلوں سے آباد ہیں۔ اور تقسیم کے بعد انہوں نے پاکستان میں رہنے کو ترجیح دی۔ آزادی کے بعد کچھ عیسائی ہندوستان سے بھی پاکستان میں رہنے کو آئے تھے۔ ایک عیسائی لیڈر مسٹر سی ای گبن ہندوستان سے پاکستان آیا تھا۔ اور قومی اسمبلی کا ڈپٹی سپیکر بن گیا تھا۔ ان کے علاوہ کئی عیسائی اعلیٰ عہدوں پر تعینات ہوتے رہے مثلاً قیام پاکستان کے بعد برطانوی نژاد مسیحی جسٹس آر چی سن بدستور ہائی کورٹ لاہور کے جج کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مسٹر اے آر کارٹیلئیس پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، مسٹر ایچ ٹی رائمنڈ مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج، مسٹر سی ایم لوبو سندھ ہائی کورٹ کے چیف جج تھے جو یو این او میں پاکستان وفد کے رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ سندھ چیف کورٹ کے چیف جج مسٹر کانسٹنائن تھے۔ اور ۱۹۹۷ء میں سندھ ہائی کورٹ میں جسٹس ایم ایل شاہانی جج بن گئے۔"(1)

پاکستان میں عیسائیوں کو دستور کے مطابق عیسائیت اختیار کرنے، مذہبی تعلیمات کی پیروی کرنے، اپنے مذہب کے درس وتدریس کا بنیاد حق حاصل ہے۔ نیز یہ اپنے تعلیمی، مذہبی اور سماجی ادارے چلانے کے مجاز ہیں۔ عیسائیوں کی مذہبی اور دیگر تنظیموں نے ملک میں بہت سے سکول، کالج، ہسپتال ڈسپنسریاں، سماجی مراکز اور بہبود کے پروگرام چلا رکھے ہیں۔ عام مسلمانوں اور حکومت کی جانب سے ان اداروں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ہر بڑے شہر میں ان کے کئی اہم ہسپتال اور تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ جن سے مسلمان خوب استفادہ کرتے ہیں۔ صرف کیتھولک کلیسا کے تحت ملک میں ۵۵۲ تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں۔(2)

پاکستان میں کثیر تعداد میں وہ عیسائی آباد ہیں جو ہندو نظام کی اچھوت ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں مگر

۱۔ پاکستان اور اقلیتیں، ص ۳۷۰

۲۔ ندیم، یہ دیس ہمارا ہے، ادارہ ہم آہنگ، ستمبر ۱۹۹۷ء، لاہور، ص: ۱۵

انہیں اچھوت سمجھنے کا تصور بتدریج ختم ہو رہا ہے۔ یہ عام مزدور یونین میں شامل ہو کر اپنے حقوق کے تحفظ کا حق رکھتے ہیں۔ سکول اور کالجوں میں انہیں حصول تعلیم کا حق ہے۔ نجی اداروں میں دیگر اقلیتوں کے ساتھ ان کا کوٹہ مختص ہے۔ خصوصاً نرسنگ کے شعبہ میں مسیحی خواتین کثیر تعداد میں منسلک ہیں۔ اور ان کا معیار زندگی کافی بہتر ہے۔

قادیانی:

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے والی جماعت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے بنیادی اسلامی عقیدے کے انکار کی وجہ سے ۱۹۷۳ء میں انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا۔ اس کے بعد سے انہیں دیگر مذہبی اقلیتوں کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔ یہ واحد اقلیت ہے جو عام مسلمانوں کے اندر شامل رہ کر سادہ لوح اور کم علم مسلمانوں کو احمدی بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اب اپنی الگ شناخت پر یہ مسلم اکثریت اور حکومت سے ناراض ہیں۔ مسلم اکثریت ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتی جبکہ یہ اسلام کے لبادے میں اپنے نظریات کو مسلمانوں میں پھیلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

پارسی:

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں پارسی تقریباً سات ہزار نفوس پر مشتمل تھے۔ تعداد میں کمی کے باوجود پارسی عام طور پر تعلیم یافتہ، محنتی، ذہین، سرمایہ کار اور ترقی پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے عام طور پر یہ لوگ معاشی و سماجی لحاظ سے اچھے معیار زندگی کے حامل ہیں۔ پاکستانی قوم کے اندر صرف پارسی برادری سو فیصد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ ان کی اہم شخصیات نے پاکستان میں اہم نوعیت کے کاموں میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ مثلاً جمشید نوشروان جی مہتا تیرہ سال تک سندھ میونسپلٹی کے میئر رہے۔ جمشید اے مارکر اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندہ رہے۔ بلکہ انہوں نے اقوام متحدہ میں سلامتی کونسل کے صدر کی حیثیت سے خدمات سر انجام دیں۔ ان کے والد بھی امریکہ میں پاکستان کے سفیر رہے۔ جسٹس دراب پٹیل ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج رہے۔ آپ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے بانی رکن اور چیئرمین تھے۔ آپ کو بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ کے پہلے وائس چانسلر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آپ نے مارچ ۱۹۹۷ء میں وفات پائی۔[(1)]

یہودی:

۱۔ سلامی، عبدالسلام، سماج کے رہنما، مکتبہ ارسلان، ۱۹۹۸ء ص: ۴۷

یہودی پاکستان میں اگرچہ بہت قلیل ہیں۔ پاکستان نے سلطنت اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا۔اور اسرائیل کے فلسطینی مسلم علاقوں میں بیت المقدس پر ناجائز تسلط کی وجہ سے عالم اسلام میں اس کے خلاف غم وغصہ پایا جاتا ہے مگر پاکستان میں اپنی یہودی اقلیت کے متعلق قابل احترام رویہ پایا جاتا ہے۔اور بلاشبہ ان کے خلاف نفرت و عداوت کا جذبہ نہیں پایا جاتا ہے۔

سکھ:

سکھوں کی اکثریت تقسیم کے وقت ہندوستان نقل مکانی کر گئی۔ اب ملک میں ان کی تعداد بالکل قلیل ہے۔ یہ تجارت وحکمت وغیرہ شعبوں سے منسلک ہیں۔ یہ اپنے مذہبی معاملات میں بالکل آزاد ہیں۔ ان کے تاریخی نوعیت کے مقامات اور گوردوارے اب بھی محفوظ ہیں ہر سال کافی تعداد میں سکھ یاتری دنیا کے مختلف ممالک سے ان کی یاترا کے لیے آتے ہیں۔اور حکومت انہیں ضروری سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ پاکستان کے سکھ شہریوں کو معاشی، سماجی، سیاسی اور مذہبی طور پر تحفظ حاصل ہے۔ قومی وصوبائی اسمبلیوں میں دیگر اقلیتوں کے ساتھ انہیں بھی نمائندگی حاصل ہے۔

اب پاکستان میں موجود ان غیر مسلم اقلیتوں کے حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ اس حقیقت سے شاید ہی کوئی شخص انکار کر سکے کہ پاکستان کے غیر مسلموں کو مفتوح اہل ذمہ قرار دینے کی کوئی وجہ بھی موجود نہیں ہے۔اس لیے کہ نہ تو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کوئی جنگ کی ہے اور نہ ہی پاکستان کی حکومت نے ان کو بزور طاقت مغلوب کیا ہے۔ وہ تقسیم ہند کے لازمی نتیجے کے طور پر پاکستان کے حصہ میں آئے ہیں اور اس تقسیم سے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ یہ دونوں قوموں کے ذمہ دار لیڈروں کے باہمی راضی نامہ سے ہوئی ہے، نہ کہ کسی جنگی فتح وتسخیر کے ذریعہ سے۔اس وجہ سے صرف یہی بات کہ یہ غیر مسلم ایک باہمی راضی نامہ کے تحت ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں اس امر کے لیے کافی ہے کہ ان کو مفتوح ومغلوب رعایا کے زمرہ میں نہ رکھا جائے بلکہ معاہد اہل ذمہ کے زمرہ میں رکھا جائے۔"(1)

اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی پاکستان کے غیر مسلوں سے جزیہ لینے کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

۱۔ اسلامی ریاست، ص: ۲۲۱

"اگران لوگوں کو جزیہ کے نام سے کسی رقم کی ادائیگی یا نفس جزیہ ہی کی ادائیگی پر اعتراض ہو تو ملک کے دفاع کے سلسلہ میں ان پر جزیہ کے بجائے کسی دوسرے نام سے بھی ٹیکس لگایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ ملک کے دفاع کے سلسلہ میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ حصہ لینے کے لیے تیار ہوں تو انہیں جزیہ کی نوعیت کے کسی ٹیکس کی ادائیگی سے بالکل بری بھی کیا جاسکتا ہے۔"(1)

اس سے ہمیں درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ پاکستان کے غیر مسلموں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ بوجہ اعتراض کسی دوسری نوعیت کا ٹیکس لیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اگر وہ ملک کے دفاع میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں تو پھر انہیں اس جزیہ سے یا جزیہ کی نوعیت کے کسی بھی ٹیکس سے بری کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ جزیہ کو ٹیکس سے ہی تعبیر کیا گیا ہے۔

ہمارے اس ملک پاکستان میں جزیہ کا قانون نہیں ہے۔ لیکن جزیہ کے علاوہ دیگر بہت سارے ٹیکس ہیں جنہیں غیر مسلم اور مسلمان دونوں ادا کرتے ہیں، اسی طرح اگر ہم دیکھیں تو ہمارے ملک میں بسنے والے غیر مسلم بھی ملک کے دفاع میں اپنے آپ کو پیش کرنے کے لیے تیار ہیں تو ایسی صورت میں بھی ان کو جزیہ سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ آذربائیجان کے معاہدہ میں ہوا تھا۔

"جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔"(2)

اسی حوالے سے مزید ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں۔

ہمارے ہاں جتنا بھی TAXATION کا نظام ہے وہ سب جزیہ ہی تو ہے۔ اسلامی نظام خلافت میں غیر مسلموں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی چنانچہ ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ ظاہر ہے غیر مسلم بھی اس ملک کا شہر ہے اور ریاست نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ریاست جو ذمہ داری لے رہی ہے اس کے عوض اس سے ٹیکس وصول کرے گی۔ وہ ٹیکس یہ جزیہ ہے۔(3)

۱۔ اسلامی ریاست، ص: ۲۲۳

۲۔ شبلی، نعمانی، الفاروق، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۵ء، ص ۲۷۶

۳۔ اسرار احمد، خطباتِ خلافت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ص: ۱۰۸

جس طرح عوام سے ٹیکس اس لئے لیا جاتا ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے، ان کو پُر امن زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے، عوام کو اپنی رائے کے اظہار کے لئے آزادی دی جائے اور ان کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ اسی طرح جزیہ بھی خاص طور پر اسی مقصد کے لئے لیا جاتا ہے۔

اسی طرح مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ:

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم اس حالت کے لیے دیا گیا ہے جبکہ وہ یا تو مفتوح ہوئے ہوں یا کسی معاہدے کی رو سے جزیہ دینے کی واضح شرائط پر اسلامی حکومت کی رعایا بنائے گئے ہوں۔ پاکستان میں چونکہ یہ دونوں صورتیں پیش نہیں آئی ہیں اس لیے یہاں غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنا میرے نزدیک شرعاً ضروری نہیں ہے۔[1]

مولانا مودودی کی اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں رہنے والے غیر مسلموں پر جزیہ نہیں لگایا جاسکتا۔

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، رسائل و مسائل (چہارم)، اسلامک پبلکیشنز لمیٹڈ، ایڈیشن: ۳۱ ستمبر ۲۰۱۴ء، ص: ۱۵۱

فصل سوم

نفاذِ جزیہ کے فوائد و ثمرات اور عصر حاضر

فصل سوم

نفاذِ جزیہ کے فوائد و ثمرات اور عصر حاضر

ذمیوں سے جزیہ وصول کرنا جو کہ ایک اسلام کا شرعی حکم ہے اور جزیہ کی ادائیگی اہل ذمیوں کے لیے اُنکی تمام قسم کی حفاظت کا سبب و ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لیے نبی کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے فرامین اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب غیر مسلم کسی مسلم سٹیٹ میں جزیہ کی ادائیگی کرتے ہوں تو اس ملک پر ضروری ہے کہ اُن کو ملک میں مکمل تحفظ دے۔ غرض جزیہ کی ادائیگی غیر مسلم کے لیے بہت سے فوائد اور ثمرات کا باعث ہے۔ ان فوائد کا ذکر درج بالا سطور میں کیا جاتا ہے۔

جان کا تحفظ:

انسان کے پاس سب سے قیمتی اثاثہ جان ہے اور اس جان کی حفاظت کے لیے وہ کچھ بھی کرتا ہے تو ذمیوں کو جان کا تحفظ جزیہ کی ادائیگی کے بعد اسی طرح ملتا ہے جیسا کہ ایک مسلمان کے حقوق کا ذکر شریعت اسلامیہ میں موجود ہے۔

قرآن مجید میں قتل ناحق کی سخت مذمت آئی ہے۔ کسی بے گناہ شخص کا قتل پوری انسانیت کے مترادف قرر دیاہے اور کسی بے قصور شخص کو قتل ہونے سے بچالیا جائے تو یہ فعل پوری انسانیت کے تحفظ کے مثل قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿مَن قَتَلَ نَفۡسَۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعٗا وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحۡيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعٗا﴾[1]

ترجمہ: جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض ان یا بغیر فساد کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو۔

یہاں صرف مسلمانوں کے قتل ناحق کی ممانعت نہیں بلکہ اسلامی مملکت کے سب شہریوں (جس میں مسلم وغیرہ مسلم سب شامل ہیں) کے خون ناحق سے روکا گیا ہے۔)

اسی حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی ہے:

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا))[2]

۱۔ سورۃ المائدہ، ۵: ۳۲

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیہ، باب اثم من قتل معاہداً، رقم الحدیث: ۳۱۶۶

جس شخص نے معاہد کو قتل کیا ہو جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

اسی وجہ سے تمام فقہا ذمی کے قتل کو کبیرہ گناہ سمجھتے ہیں۔

اور اسلام ذمیوں کو جس طرح جانی تحفظ فراہم کرتا ہے اور کسی قسم کے جسمانی تشدد کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ مثلاً اگرچہ یہ کہ ادائیگی میں تاخیر ہوگئی تو اسلام پھر بھی اُن کو ایذ رسانی کی اجازت نہیں دیتا حالانکہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے مسلمانوں کے لیے نہایت سخت موقف رکھتا ہے۔

اس بارے میں امام ابو یوسف رقمطراز ہیں:

"عروہ بن ہشام سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ عیاض بن غنم نے کچھ ذمیوں کو جزیہ نہ دینے کی بناء پر دھوپ میں کھڑا کر رکھا تھا انہوں نے دریافت کیا: عیاض کیا کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ ان کو آخرت میں عذاب دے گا"۔ [1]

مال کا تحفظ:

جسم و جان کی حفاظت کی طرح مال کی حفاظت بھی ذمیوں کے حقوق میں شامل ہے اور اس بات پر بلا تفریق تمام مسلمانوں کا اتفاق رہا ہے امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں اہل نجران کے ساتھ معاہدے کا ذکر کیا ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے۔

نجران وہاں کے باشندون کے نام افراد، ان کے اہل و عیال کو پانے سال، جانوروں، زمینوں، مذہبی معاملات، عبادات گاہوں اور ان کے قبضہ میں کم یا زیادہ اشیاء سب کے سب میں اللہ کی نگہبانی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری حاصل ہوگی۔ [2]

معاشی تحفظ:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ﴾ [3]

۱۔ کتاب الخراج، مترجم: ۳۴۱

۲۔ ایضا

۳۔ سورۃ الذاریات، ۵۱: ۱۹

ترجمہ: اور ان کے اموال میں مانگنے والوں اور (نہ مانگنے والوں) محروم دونوں کا حق ہے۔

یہاں سائل اور محتاجوں کی کفالت مسلم معاشرے اور حکومت کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ محتاج و سائل کا مسلمان ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ غیر مسلم ذمی بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی کفالت بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾[1]

ترجمہ: اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم اور قیدی کو

اسلامی ریاست میں محتاج و یتیم غیر مسلم ذمی بھی ہو سکتے ہیں جنہیں کھانا کھلانا اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب بتایا گیا ہے۔ اور جہاں تک قیدیوں کا تعلق ہے تو دورِ رسالت میں تو جنگی قیدی صرف کفار ہوتے تھے۔ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ دارالاسلام میں کوئی اسیر جنگ مشرک ہی ہو سکتا ہے۔[2] جیسا کہ غزوہ بدر کے قیدی مشرک تھے جنہیں مسلمان اپنی نسبت اچھا کھانا کھلاتے تھے۔

غیر مسلموں پر خرچ کرنے کے متعلق ایک اور ارشاد ہے:

﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ﴾[3]

ترجمہ: تیرے ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کرو گے تم مال سو اپنے ہی واسطے۔

اس آیت میں عام اصول بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جس کو مال دو گے تم کو اس کا ثواب دیا جائے گا۔ مسلم و غیر مسلم کسی تخصیص نہیں ہر مستحق کو دیا جا سکتا ہے۔

عزت کا تحفظ:

اسلام میں مختلف ذمیوں کی جس طرح مالی اور جانی تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے اسی طرح ان کی عزت کی حفاظت میں ایک مسلمان کی عزت کی طرح قرار دی گئی۔ الغرض ذمی کو گالی دینا، اس پر تہمت لگانا، غیبت کرنا اس کی شخصیت اس کے نسب کے متعلق غلط بات کرنا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

عزت کا تحفظ بھی انسانوں کا بنیادی حق ہے قرآن مجید میں اس کے متعلق ارشاد ہے:

۱۔ سورۃ الدھر، ۷۶: ۸

۲۔ احکام القرآن، ۴۶۱/۱

۳۔ سورۃ البقرہ، ۲: ۲۷۲

﴿لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ﴾[1]

ترجمہ: تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے یہ اس سے بہتر ہو (یعنی بلحاظ انجام وہ اس سے بہتر ہو)۔

ایسا مذاق جس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہو، ممنوع ہے۔ اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ بلاوجہ کسی کے ساتھ اس کی اجازت نہیں ہے۔ آگے ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَنَابَزُواْ بِٱلۡأَلۡقَٰبِ﴾[2]

ترجمہ: اور نہ کسی کو برے القاب دو۔

ایسے لقب و نام رکھنا جس سے دوسرے کو تکلیف ہو ناجائز و حرام ہے اس میں بھی مسلم و غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں۔

امام احمد بن ادریس القرافی اپنی کتاب الفروق میں لکھتے ہیں:

"اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ذمیوں کے ساتھ معاہدہ ہمیں ان لوگوں کو کچھ حقوق ادا کرنے کا پابند کرتا ہے اس کا باعث یہ ہے کہ وہ لوگ ہمارے ہمسایہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی ذمہ داری میں ہیں۔ لہٰذا ان سے زیادتی کرنا، اگرچہ وہ اگروہ کوئی بری بات کرے یعنی غیبت ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور دین اسلام کی عطا کردہ ضمانت کی بے حرمتی کے مترادف ہے"۔[3]

اسی طرح احناف کی معروف کتاب درمختار کے مطابق ذمی کی ایذا رسانی سے باز رہنا واجب ہے اس کی غیبت کرنا مسلمان کی غیبت کرنے کے مترادف ہے۔[4]

غرض اسلام اپنے معاہدہ کا بہت خیال کرتا ہے اور یہی اسلام کی اخلاقی تعلیمات ہیں اور اسی کی وجہ سے تاریخ میں بہت سے ایسے غیر مسلم جو صرف اسلام کی ان تعلیمات کی وجہ سے گوشہ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ محکوم رعایا یعنی اقلیتوں کی عصمت و ناموس پر ہاتھ ڈالیں حکم عدولی

۱۔ سورۃ الحجرات، ۴۹: ۱۱

۲۔ ایضاً

۳۔ الفروق، ۴۳۳/۲

۴۔ ردالمختار علی الدرالمختار، ۲۱۰/۲

کی صورت میں وہی حد نافذ ہو گی جو کسی مسلمان خاتون کی عصمت دری پر اسلام نے مقرر فرمائی ہے۔

مذہبی آزادی:

جب غیر مسلم جزیہ دیں تو اسلام کی جانب سے عطا کردہ حقوق میں سے ایک اہم حق آزادی بھی اُن کو مل جاتا ہے۔اور اس آزادی میں سر فہرست اعتقاد و عبادات کی آزادی ہے۔کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا اپنے عقیدے سے پر کار بند رہ سکتا ہے اور اس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِ﴾(1)

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا

﴿أَفَأَنتَ تُكۡرِهُ ٱلنَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُواْ مُؤۡمِنِينَ﴾(2)

ترجمہ پھر تو کیا مجبور کرے گا کہ وہ ایمان لائیں۔

﴿لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِ﴾ کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں جیسا کہ مفہوم کچھ یوں کہ کسی کو دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرو کیونہ اسلام تو روز روشن کی طرح واضح دین ہے کیوں کہ اس کے دلائل و براہین نہایت جلی ہیں اور وہ ہر گز اس بات کا محتاج نہیں کہ کسی کو مسلماں ہونے پر مجبور کیا جائے۔اس آیت کا شان نزول، جیسکہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔اس دین کے معجزہ ہونے ایک پہلو کو واضح کرتا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی جاتی ہے۔

> "کم نسل عورت یہ مان لیا کرتی کہ اگر اس کا لڑکا زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنادے گی جب بنو نظیر کو جلاوطن کیا گیا ان میں بعض اولاد انصار میں سے بھی تھے ایسے بچوں کے ماں باپ کہنے لگے ہم تو اپنی اولاد سے دستبردار نہیں ہوں گے (یعنی ان کو یہودیت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔تو اس پر آیت نازل ہوئی۔"(3)

۱۔ سورۃ البقرہ،۲:۲۵۶

۲۔ سورۃ یونس،۱۰:۹۹

۳۔ تفسیر القرآن العظیم،۱/۶۸۲

قرآن میں اکراہ کی ممانعت اس لیے ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے اور اس کا سینہ کھول کر بصیرت سے منور کرے وہ دلیل روشن کی بنیاد پر مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے، اور جس شخص کے دل کو اللہ تعالیٰ بصیرت سے محروم کر دے ایسے شخص کا مجبوراً اسلام میں داخل بے فائدہ ہے۔ عرض اسلام ذمیوں کو اپنے عقائد کی پیروی کرتے رہنے کی اجازت دیتا ہے۔ اوران سے تعرض نہیں کرتا۔

اسلام رواداری اور برداشت سکھاتا ہے۔ مذہب وعقیدے میں تنگ نظری کا قائل نہیں ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾(1)

ترجمہ: کہہ دیں یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے

اسی طرح مزید فرمایا:

﴿ قُلِ ٱللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُۥ دِينِى ﴿١٤﴾ فَٱعْبُدُوا۟ مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِۦ﴾(2)

ترجمہ: کہہ دیں میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اس حال میں کہ اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کرنے والا ہوں تو تم اس کے سوا جس کی عبادت کرو۔

کہ نبی ﷺ کی حد درجہ خواہش تھی کہ سب انسان اسلام میں داخل ہوں۔ اس لیے ہر وقت فکر مند رہتے تھے، اس پر ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَآ أَشْرَكُوا۟ ۗ وَمَا جَعَلْنَٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ﴾(3)

ترجمہ: اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ ہم نے تم کو ان پر کوئی محافظ (مقرر) نہیں کی اور نہ تم ان کے وکیل ہو۔ (کہ انہیں بھٹکنے نہ دو)،

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَءَامَنَ مَن فِى ٱلْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ ٱلنَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا۟ مُؤْمِنِينَ﴾(4)

۱۔ سورۃ الکہف، ۱۸: ۲۹

۲۔ سورۃ الزمر، ۳۹: ۱۴-۱۵

۳۔ سورۃ الانعام، ۶: ۱۰۷

۴۔ سورۃ یونس، ۱۰: ۹۹

ترجمہ: اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو دنیا کے تمام لوگ ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ سب کے سب ایمان لائیں۔

ان آیات سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے رد و قبول میں لوگوں کو آزاد رکھا ہے۔ لوگوں کے سامنے دونوں راستے رکھ دیے گئے ہیں۔ اسلام کا راستہ بھی ہے اور کفر کا راستہ بھی ہے۔ اب چاہیں تو اسلام والا راستہ اپنائیں یا کفر والا راستہ۔

قتال کا مقصد لوگوں کو مسلمان بنانا نہیں بلکہ ان کی سرکشی ختم کر کے انہیں مطیع و پُرامن بنانا ہے اسلام کی دعوت سب کے لیے عام ہے مگر اس بارے میں کسی پر بھی جبر نہیں ہے۔ اسلام کی بنیاد توحید پر قائم ہے اور اسی کی اشاعت و ترویج کے لیے پورا نظام دعوت و جہاد قائم ہوا ہے۔ قرآن نے شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔ اور اس سے بیزاری کا اظہار کیا مگر اس کے باوجود غیر مسلموں کے دیوتاؤں اور مذہبی نوعیت کی چیزوں کو برا بھلا کہہ کر ان کی دل آزاری سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ﴾ (1)

ترجمہ: اور انہیں گالی نہ دو جنہیں یہ لوگ اللہ کا سوا پکارتے ہیں پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر امت کے لیے ان کا عمل مزین کر دیا ہے۔

اسلام غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا احترام سکھاتا ہے۔ اور قتال کی ایک غرض شر پسند قوتوں کا خاتمہ قرار دیتا ہے۔ جن کے سبب مذہبی مراسم کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا﴾ (2)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کا دو لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دور کرنا نہ ہوتا تو یقیناً ڈھا دیے جاتے۔ خانقاہیں اور کلیساؤں اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶: ۱۰۸

۲۔ سورۃ الحج، ۲۱: ۴۰

معاشرتی حقوق:

دین اسلام کی یہ نمایاں شان ہے کہ وہ غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں سے نفرت وعداوت رکھنے کی بجائے ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

﴿لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ﴾(1)

ترجمہ: اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھر سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حقوق میں انصاف کرو یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

انصاف کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ معاملہ اس کے درجہ وحیثیت کے مطابق کیا جائے۔ اب جن لوگوں نے محاذ آرائی چھوڑ کر ذمی بننا قبول کیا ہے اور اسلامی ریاست میں رعیت کی حیثیت سے قیام پذیر ہیں، ان کے ساتھ شفقت و مروت کے برتاؤ کا حکم ہے۔ یہ نہیں کہ تمام کفار و مشرکین کو ایک لاٹھی سے ہانکا جائے بلکہ لازم ہے کہ اچھے برے حالات میں ان کے حالات کے اعتبار سے معاملات میں فرق کیا جائے۔ اسلام اپنی غیر مسلم رعیت کو ہندوؤں کی طرح اچھوت قرار نہیں دیا دیتا ہے بلکہ ان کے ساتھ ایسے روابط کا درس دیتا ہے جن سے ان کی وحشت کم ہو اور انہیں بود و باش میں سہولت اور اسلامی قدروں سے استفادہ کا موقع ملے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ﴾(2)

ترجمہ: آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں ہیں اور ان لوگوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے جنہیں کتاب دی گئی اور تمہارا کھانا ان لوگوں کے لیے حلال ہے اور مومن عورتوں میں سے پاکدامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی جب تم انہیں ان کے مہر دے دو اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے

۱۔ سورۃ الممتحنہ، ۶۰:۸

۲۔ سورۃ المائدہ، ۵:۵

ہو، بدکاری کرے والے نہیں اور نہ چھپی آشنائیں بنانے والے۔

طعام سے مراد ذبیحہ ہے یعنی مسلمانوں کا ذبیحہ ذمیوں کے لیے حلال ہے۔ جو انہیں ہدیہ کے طور پر یا بعوض قیمت دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح وقت ضرورت اہل کتاب یعنی یہود و نصاری کا ذبیحہ جبکہ انہوں نے اس پر ظاہر غیر اللہ کا نام نہ کیا ہو مسلمانوں کے لیے کھانا حلال ہے۔ اسی طرح ذمیوں میں سے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے لیے اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر سکتے ہیں۔ اپنی لڑکیوں کو مسلمان فاتحین کے ساتھ بیاہ سکتے ہیں جو دونوں قوموں میں قرابت پیدا کرنے اور وحشت دور کرنے کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ تمام باتیں اس چیز کا ثبوت ہیں کہ اسلام اپنی مذہبی اقلیتوں کو پست و ذلیل قرار نہیں دیتا بلکہ ان کی مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ باقی تمام بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔

عصر حاضر میں اگر دیکھا جائے تو پاکستان ایک واحد اسلامی ملک ہے پوری دنیا میں جہاں اقلیتیں سب سے زیادہ محفوظ ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہیں۔ اور انہیں تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے تمام رسوم و رواج چاہے وہ مذہبی رسوم و رواج ہوں یا غیر مذہبی رسوم و رواج، بڑے ہی آزادانہ طور پر مناتے ہیں۔ بلا خوف و خطر اور بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ ان پر کسی بھی قسم کا تشدد نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا کے تمام مذاہب و قوانین میں اقلیتوں کو سب سے زیادہ تحفظ اور امن اسلام نے دیا ہے اور جتنا تحفظ اسلام نے دیا ہے اسی کے مطابق اقلیتیں بھی یہاں محفوظ ہیں۔

اختتامیہ

خلاصہ بحث

اللہ نے دین اسلام بنی انسان کی ہدایت ور ہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے۔تاکہ لوگ گمراہی سے نکل کر راہِ راست پر گامزن ہو سکیں۔ انبیاء علیھم السلام کے مقدس سلسلے کے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو معبوث فرمایا۔ آپ کی بعثت کا مقصد یہ قرار دیا کہ دین اسلام کو باقی مذاہب و ادیان پر غالب کر دیا جائے۔ ابتداء میں دعوت الی اللہ و تبلیغ دین پُر امن تھی۔ مگر مخالف قوتوں نے جارحیت و تشدد کا راستہ اختیار کیا تو اس کے جواب میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت ملی۔ جس کے ذریعے سر کش قوتوں کو مطیع کیا جاتا تھا۔چند مخالف قوتیں اپنی سر کشی چھوڑ کر مسلمانوں کے مطیع بننے پر آمادہ ہوں تو انہیں اسلامی ریاست کے ذمیوں کی حیثیت سے قبول کیا جاتا ہے۔ وہ تمام بنیادی حقوق کے مستحق قرار پاتے ہیں اور زندگی کے عام معاملات میں وہ مسلم رعایا کے مساوی درجے میں آجاتے ہیں۔اس کے عوض ان سے ایک معمولی ٹیکس لیا جاتا ہے۔ جسے جزیہ کہتے ہیں۔

یہ جزیہ اسلام کی ایجادات میں سے نہیں ہے بلکہ قبل از اسلام اس کو ایجاد کیا گیا تھا۔اسلام نے صرف اس کو برقرار رکھا یہ جزیہ غیر مسلموں سے ان کی استطاعت کے مطابق لیا جاتا ہے۔ خواتین، بچے، بوڑھے، معذور، راہب وغیرہ سب جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ یہ جبراً مسلمان بنانے کا ذریعہ نہ تھا اگر یہ بات ہوتی تو معمولی مقدار میں جزیہ نہ لیا جاتا۔نہ اس میں اتنی رعایات دی جاتیں اور نہ کسی غیر مسلم کو مستثنیٰ کیا جاتا۔ اس طرح غیر مسلموں پر جن مختلف پابندیوں کا ذکر ہے وہ صرف اور صرف ان میں فرق اور پہچان کے لیے تھیں نہ کہ ان کی تذلیل و تحقیر کے لیے۔اور اگر کسی فقیہ نے ان پابندیوں سے مقصود ان کی اہانت و حقارت سمجھا ہے تو یہ اس کا ذاتی اجتہاد ہے نہ کہ اسلام کی تعلیم۔

غیر مسلموں کے حقوق کے حوالے سے یہ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے کہ انہیں اسلامی ریاست کے اندر اپنی رائے کے اظہار، اپنے مذہب وعقیدہ کی تبلیغ کی اجازت نہیں حالانکہ شرعی اعتبار سے انہیں قانونی دائرے کی حدود میں اظہار رائے اور مذہبی تبلیغ کی اجازت ہے۔تاہم کسی بھی شہری کو مسلمان ہو یا غیر مسلم تحریر و تقریر کی آزادی کی آڑ میں دوسروں کے جذبات مجروح کرنے کی اجازت نہیں۔ یہی ضابطہ اہل ذمہ پر بھی لاگو ہوگا اور انہیں مذہبی تبلیغ کی آڑ میں شعائر اسلام کی توہین کی اجازت نہیں ہوگی۔

نتائج

مقالہ ہذا سے درج ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

۱۔ جزیہ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں سے لیا جانے والا محصول ہے۔

۲۔ جزیہ ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے لیا جاتا ہے۔

۳۔ جزیہ اسلام کی ایجادات میں سے نہیں ہے بلکہ اسلام سے قبل انوشروان نے اس کو ایجاد کیا تھا، اسلام نے اس کو برقرار رکھا۔

۴۔ نبی کریم ﷺ نے عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔

۵۔ خلفائے راشدین نے بھی غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا۔

۶۔ خلفائے راشدین میں سے بالخصوص عمر فاروقؓ کے دور میں اس نظام کو بہت ترقی ملی۔

۷۔ یہ جزیہ تمام غیر مسلموں (یہودی، عیسائی، مجوسی، سکھ، ہندو وغیرہ) سے لیا گیا سوائے مرتد کے۔

۸۔ اس جزیہ سے عورتوں، بچوں، بیماروں اور معذور لوگوں کو مستثنیٰ رکھا گیا۔

۹۔ قبل از اسلام روم میں ناجائز طریقے سے بچوں سے، عورتوں سے اور معذوروں سے بھی لیا جاتا تھا۔

۱۰۔ ہندوستان میں اونچے طبقے کے لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا تھا اور نچلے طبقے کے لوگوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔

۱۱۔ اسلام میں ایسے تمام لوگوں کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا جو کما نہیں سکتے، کام کاج کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

۱۲۔ جو لوگ کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے مثلاً بوڑھے افراد، معذور افراد وغیرہ وغیرہ ایسے لوگوں کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔

۱۳۔ جزیہ میں غیر مسلموں کے لیے آسانی رکھی گئی تھی کہ وہ جس طرح ادا کرنا چاہتے ہیں، جتنا ادا کرنا چاہتے ہیں وہ کریں، کسی پر بھی زبردستی اور سختی نہیں کی جاتی تھی۔

۱۴۔ جزیہ کی مقدار کو مقرر نہیں کیا گیا بلکہ اس کو حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے کہ لوگوں کی

استطاعت کے مطابق اُن پر جزیہ لگائے۔

۱۵۔ جزیہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانے کا ذریعہ نہیں ہے۔

۱۶۔ جزیہ کی ادائیگی کے وقت غیر مسلموں کی گردنوں پر مہر لگانا، غیر مسلموں کا مسلمانوں سے الگ لباس پہننا صرف اور صرف فرق اور راامتیاز کے لیے تھا نہ کہ تحقیر کے لیے۔

۱۷۔ اسلامی ممالک میں جزیہ کے علاوہ اور بہت سے ٹیکسز لیے جاتے ہیں۔

۱۸۔ عصر حاضر میں جزیہ اگر غیر مسلموں پر لگایا جائے تو کوئی حرج والی بات نہیں، اگر غیر مسلموں کو اس کی ادائیگی پر اعتراض ہو تو پھر جزیہ کے علاوہ کسی اور نام سے بھی ٹیکس لگایا جاسکتا ہے۔

سفارشات

اسلام رنگ و نسل، عقیدہ و مذہب کی تنگ نظری سے بالا تر ہو کر ہر انسان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھتا ہے۔اس لیے موجودہ ماحول میں عملی طور پر اسلام کے اس نقطہ نظر کو واضح کیا جانا چاہیے۔

اسلام مخالف قوتوں نے جزیہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔اس لیے اہل علم کا فرض ہے کہ وہ پورے شرح صدر اور دلائل سے اس تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کریں۔

دین بیزار قوتیں جزیہ کو زبردستی مسلمان بنانے کا ایک قومی ذریعہ سمجھتی ہیں۔اس غلط فہمی کو براہین کے ذریعے دور کرنا چاہیے۔

ریاست کو ہمیشہ لوگوں کی حیثیت کے مطابق ٹیکس لگانا چاہیے۔اعلیٰ طبقے کے لوگوں پر اس کو بڑھائے اور کمزور سے کمزور لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کرے۔

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث نبوی

فہرست اعلام

فہرست اماکن

فہرست مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر	آیات	سورت	صفحہ نمبر
۱.	ٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَعۡرِفُونَهُۥ ۔۔۔۔	سورۃ البقرۃ: ۱۴۶	۹۴،۸۶
۲.	وَلَا تَنكِحُواْ ٱلۡمُشۡرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤۡمِنُواْ	سورۃ البقرۃ: ۲۲۱	۱۱۰
۳.	لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِ	سورۃ البقرۃ: ۲۵۶	۱۳۶
۴.	لَّيۡسَ عَلَيۡكَ هُدَىٰهُمۡ ۔۔۔۔۔۔۔۔	سورۃ البقرۃ: ۲۷۲	۱۳۴
۵.	إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُ	سورۃ آل عمران: ۱۹	۷۴
۶.	ٱلۡيَوۡمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۔۔۔۔۔۔	سورۃ المائدۃ: ۵	۱۰۹،۱۳۹
۷.	مَن قَتَلَ نَفۡسَۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ ۔۔۔۔۔۔۔	سورۃ المائدۃ: ۳۲	۱۳۲
۸.	وَلَوۡ شَآءَ ٱللَّهُ مَآ أَشۡرَكُواْۗ ۔۔۔۔۔۔۔۔	سورۃ الانعام: ۱۰۷	۱۳۷
۹.	وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ۔۔	سورۃ الانعام: ۱۰۸	۱۳۸
۱۰.	قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ ۔۔۔۔۔۔	سورۃ الانفال: ۳۸	۶۰
۱۱.	فَٱقۡتُلُواْ ٱلۡمُشۡرِكِينَ حَيۡثُ وَجَدتُّمُوهُمۡ	سورۃ التوبۃ: ۵	۷۳
۱۲.	قَٰتِلُواْ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ ۔۔۔۔۔	سورۃ التوبۃ: ۲۹	۴۵،۶،۱۴،۴۳، ۱۰۶،۴۹،۴۶
۱۳.	أَفَأَنتَ تُكۡرِهُ ٱلنَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُواْ	سورۃ یونس: ۹۹	۱۳۶
۱۴.	ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ ۔۔۔۔۔	سورۃ النحل: ۱۲۵	۱۰
۱۵.	وَقُلِ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكُمۡۖ ۔۔۔۔۔۔۔۔	سورۃ الکہف: ۲۹	۱۳۷
۱۶.	فَقُولَا لَهُۥ قَوۡلٗا لَّيِّنٗا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوۡ يَخۡشَىٰ	سورۃ طٰہٰ: ۴۴	۱۰
۱۷.	وَلَوۡلَا دَفۡعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعۡضَهُم بِبَعۡضٍ ۔۔۔۔	سورۃ الحج: ۴۰	۱۳۸
۱۸.	وَلَا تُجَٰدِلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ ۔۔۔۔۔۔	سورۃ العنکبوت: ۴۶	۱۰
۱۹.	قُلِ ٱللَّهَ أَعۡبُدُ مُخۡلِصٗا لَّهُۥ دِينِي	سورۃ الزمر: ۱۴-۱۵	۱۳۷

۲۰.	تُقَٰتِلُونَهُمۡ أَوۡ يُسۡلِمُونَ	سورة الفتح: ۱۶	۷۳
۲۱.	لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ---	سورة الحجرات: ۱۱	۱۳۵
۲۲.	وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ	سورة الذاریات: ۱۹	۱۳۴
۲۳.	لَّا يَنۡهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمۡ يُقَٰتِلُوكُمۡ فِي ٱلدِّينِ	سورة الممتحنہ: ۸	۱۳۹
۲۴.	وَيُطۡعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسۡكِينٗا	سورة الدھر: ۸	۱۳۴

فہرست احادیث نبوی

نمبر	احادیث	کتب حدیث	صفحہ نمبر
۱.	أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ......	صحیح بخاری: ۲۵	۱۳
۲.	إِنَّ اللهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ وَثَمَنَهَا........	سنن ابی داؤد: ۳۴۸۵	۸۰
۳.	أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ.........	سنن ابی داؤد: ۳۰۳۸	۷۰، ۷۴، ۴۳ ۷۸، ۱۲۳، ۷۹
۴.	أَنَّ رَسُولَ اللّهِ ﷺ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ	صحیح بخاری: ۳۱۷۵	۱۷، ۱۴
۵.	أَنَّ عُمَّالَ عُمَرَ كَتَبُوا إِلَيْهِ...........	مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۷۹۹	۱۱۷
۶.	غَزَوْنَا مَعَ النَّبِي........	صحیح بخاری: ۳۱۶۱	۳۰
۷.	كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَمَّرَ أَمِيراً عَلَى جَيْشٍ.....	صحیح مسلم: ۱۷۳۱	۱۲-۷۲
۸.	لَعَنَ اللّهُ الْيَهُودَ	سنن ابی داؤد: ۳۴۸۶	۸۰
۹.	مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ	صحیح بخاری: ۳۰۱۷	۷۴
۱۰.	مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ......	صحیح بخاری: ۳۱۶۶	۱۲۷

فہرست اعلام

نمبر	اعلام	صفحہ نمبر
۱.	ابن قدامہ	۴، ۴۱، ۶۴، ۶۶، ۱۲۲، ۱۲۳
۲.	ابن جریر	۷، ۱۹، ۲۰، ۱۱
۳.	ابوعبید	۸، ۲۷، ۳۸، ۴۳، ۶۱، ۶۴، ۸۱، ۸۲
۴.	ابن کثیر	۷
۵.	قرطبیّ	۸، ۴۲، ۴۴، ۴۵، ۶۷، ۷۵، ۱۱۱
۶.	ابن الجوزی	۹
۷.	ابن رشد	۱۵، ۴۵، ۷۰، ۸۴
۸.	ابن قیم	۲۷، ۴۷، ۷۷، ۱۱۰، ۱۱۳
۹.	ابن المنذر	۴۴، ۴۶، ۷۲، ۷۳
۱۰.	ابویوسف	۴۳، ۶۰، ۷۰، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۳۵

فہرست اماکن

نمبر	اماکن	صفحہ نمبر
۱.	نجران	36, 27
۲.	بحرین	27
۳.	جربا	30, 29
۴.	اذرح	30, 29
۵.	ایلہ	30, 29
۶.	مقناہ	120, 119, 30
۷.	حیرہ	107, 32, 31
۸.	فارس	31
۹.	بانقیا	32
۱۰.	باروسما	32
۱۱.	اُلیس	32
۱۲.	نہاوند	33
۱۳.	اسکندریہ	37
۱۴.	عراق	123
۱۵.	شام	123
۱۶.	مصر	123
۱۷.	یمن	124, 81, 79, 71, 47, 43
۱۸.	ترکی	124
۱۹.	سعودی عرب	124

فہرست مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الکریم

عربی کتب:

۲۔ ابن سلام، قاسم، کتاب الاموال، دار الفکر بیروت

۳۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاھرۃ، 1388ھ۔1968م

۴۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1419ھ، الطبعۃ الاولی

۵۔ ابراہیم، قطب، السیاسۃ المالیۃ لعثمان بن عفان، الھیئۃ المصریۃ العامۃ الکتاب، 1984

۶۔ ابن الجوزی، عبدالرحمان، زاد المسیر فی علم التفسیر، دار الکتب العربی بیروت، 1422ھ، الطبعۃ الاولی

۷۔ ابن العربی، محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، 1424-2003، الطبعۃ الثالثۃ

۸۔ ابن المطرز، ناصر بن عبدالسید، المغرب فی ترتیب المعرب، دار الکتاب العربی

۹۔ ابن المنذر، محمد بن ابراہیم، الإجماع، کتاب الجھاد، دار المسلم للنشر والتوزیع، ۲۰۰۴م الطبعۃ الاولی

۱۰۔ ابن الھمام، محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر، دار الفکر

۱۱۔ ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، دار الحدیث القاھرۃ

۱۲۔ ابن زید، حسن بن زید، رحلۃ السیرافی، المجمع الثقافی، 1999م

۱۳۔ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر , بیروت، 1410ھ، ۱۹۹۰م، الطبعۃ الاولی

۱۴۔ ابن سید الناس، محمد بن محمد، عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، دار القلم بیروت، 1993

۱۵۔ ابن شیبہ، ابو بکر، المصنف فی الاحادیث والآثار، مکتبہ الرشد، الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۹ھ

۱۶۔ ابن عابدین، محمد امین، رد المختار علی الدر المختار، دار الفکر بیروت، 1412ھ، 1992م، الطبعۃ الثانیۃ

۱۷۔ ابن عبدالحکم، عبدالرحمان، فتوح مصر وأخبارھا، دار الفکر بیروت، 1416ھ/1996م

۱۸۔ ابن قیم، محمد بن أبی بکر، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، 1994م، الطبعۃ السابعۃ والعشرون

۱۹۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، احکام اھل الذمہ، مادی للنشر، الدمام، 1418ھ، الطبعۃ الاولی

۲۰۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، دار صادر بیروت، الطبعۃ الثالثۃ 1414ھ

۲۱۔ ابن ھشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، دار الکتب العربی، 1440ھ، 1990ء

۲۲۔ ابوداؤد، سلیمان بن الأشعث، سنن أبی داؤد، دار الکتاب العربی. بیروت

۲۳۔ ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، الخراج المکتبۃ الأزھریۃ للتراث

۲۴۔ ابوالفضل، عبداللہ بن محمود، الاختیار لتعلیل المختار، مطبعۃ الحلبی، 1356ھ۔1978م، القاھرۃ

۲۵۔ احمد دیاب، محمد، اضواء علی الاستشراق، وکالۃ الأھرام للتوزیع، الطبعۃ الاولیٰ، 1998ء

۲۶۔ الباجی، سلیمان، المنتقیٰ شرح الموطا، مطبعۃ السعادۃ۔ الطبعۃ الاولی

۲۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار السلام للنشر والتوزیع الطبعۃ الثانیۃ

۲۸۔ بلخی، نظام الدین، الفتاوی الھندیۃ، لجنۃ علماء برئاسۃ، دار الفکر، 1310ھ، الطبعۃ الثانیۃ

۲۹۔ البھی، محمد، الفکر الاسلامی الحدیث وصلۃ بالاستعمار العربی، مکتبہ وھبہ، الطبعۃ العاشرۃ

۳۰۔ البیھقی، احمد بن الحسین، احکام القرآن، مکتبۃ الخانجی، القاھرۃ، 1414ھ، 1994م، الطبعۃ الثانیۃ

۳۱۔ ترمذی، محمد بن عیسی، سنن ترمذی، دار المعرفۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، 1975

۳۲۔ الجبری، عبد المتعال، الاستشراق وجہ الاستعمار الفکری، مکتبہ وھبۃ القاھرۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1416ھ، 1995ء

۳۳۔ جصاص، احمد بن علی، أحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی—بیروت، 1405ھ

۳۴۔ جلاء ادریس، محمد، الاستشراق الاسرائیلی فی المصادر العبریۃ، العربی للنشر والتوزیع القاھرہ، 1995ھ

۳۵۔ جمعہ، عثمان، مدخل لدراسۃ العقیدۃ الاسلامیۃ، مکتبۃ السوادی، للتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ، 1417ھ، 1996م

۳۶۔ جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح، دار الحدیث القاھرۃ، ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹م

۳۷۔ حصکفی، محمد بن علی بن الحصنی، الدر المختار شرح تنویر الابصار، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 2002م

۳۸۔ حنبلی، منصور بن یونس، کشف القناع عن متن الاقناع، دار الکتب العلمیۃ

۳۹۔ خربوطلی، علی حسنی، الاسلام واہل الذمۃ، المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیۃ۔ مصر، 1389ھ، 1969ء

۴۰۔ الدھان، محمد، قوی الشر المتحالفۃ، دار الوفاء للطباعۃ والنشر والتوزیع، المنصورۃ۔ الطبعۃ الثانیۃ، 1988م

۴۱۔ زبیدی، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الھدایۃ

۴۲۔ الزحیلی، وھبۃ، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار الفکر دمشق، 1998م، الطبعۃ الثالث

۴۳۔ زیلعی، عثمان بن علی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، المکتبۃ الکبری الأمیریہ، بولاق القاھرۃ، 1313ھ، الطبعۃ الاولیٰ

۴۴۔ سیوطی، عبد الرحمان، الاکلیل فی استنباط التنزیل، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1401ھ۔1981م

۴۵۔ شافعی، ابوبکر بن محمد، کفایۃ الأخیار، فی حل غایۃ الاختصار، دار الخیر دمشق، 1994م، الطبعۃ الاولیٰ

۴۶۔ شافعی، محمد بن ادریس، الام، دار المعرفۃ بیروت

۴۷۔ الشربینی، محمد الخطیب، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنھاج، دار الفکر بیروت

۴۸۔ الشرقاوی، محمد عبداللہ، الاستشراق الغارۃ علی الفکر الاسلامی، دار الھدایۃ القاھرۃ

۴۹۔ شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، دار الحدیث مصر، 1413ھ۔1993م، الطبعۃ الاولیٰ
۵۰۔ طبري، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث–بیروت، 1387ھ، الطبعۃ الثانیہ
۵۱۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، 1420ھ، الطبعۃ الاولی
۵۲۔ العظم، رفیق، اشہر مشاہیر الاسلام فی الحروب والسیاسۃ، مطبعۃ امین ہندیۃ بمصر، 1340ھ-1921ء
۵۳۔ العقیقی، نجیب، المستشرقون، دار المعارف مصر، الطبعۃ الثالثۃ 1964م
۵۴۔ علی محمد، اسماعیل، الاستشراق بین الحقیقۃ والتضلیل، دار الکلمۃ للنشر، القاھرۃ، الطبعۃ السادسۃ 2014م
۵۵۔ عمر بن ابراہیم، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیرہ، دار طیبۃ الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، 1992م
۵۶۔ عمر فوزی، فاروق، الاستشراق والتاریخ الاسلامی، الاہلیۃ للنشر والتوزیع، عمان، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۸
۵۷۔ عینی، محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۸۔ فوزی، مصطفی، الحیل والاسالیب فی الدعوۃ الی التبشیر، دار النشر والتوزیع الاسلامی، الطبعۃ الاُولی 1414ھ
۵۹۔ الفیومی، محمد ابراہیم، الاستشراق رسالۃ استعمار، دار الفکر العربی 1993
۶۰۔ القرافی، احمد بن ادریس، الفروق، وزارۃ الاوقاف السعودیۃ، 1431ھ-2010ء
۶۱۔ قرطبیؒ، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، دار الکتب المصریۃ القاھرۃ، 1384ھ، الطبعۃ الثانیۃ
۶۲۔ کاسانی، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۶م، الطبعۃ: الثانیۃ
۶۳۔ الکیاالہراسی، علی بن محمد، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1405ھ، الطبعہ الثانیہ
۶۴۔ مالکی، محمد بن احمد، منح الجلیل شرح مختصر خلیل، دار الفکر بیروت
۶۵۔ محمدی، محمود، الاستشراق والخلیفۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، دار المعارف
۶۶۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، دار أحیاء التراث العربی بیروت لبنان
۶۷۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۶۸۔ المنجد فی اللغۃ والاعلام، المکتبۃ الشرقیۃ بیروت لبنان، طبع الثالثۃ والعشرون
۶۹۔ المیدانی، عبد الرحمان بن حسن، أجنحۃ المکر الثلاثۃ، دار القلم دمشق، الطبعۃ الثامنۃ 1420ھ، 2000
۷۰۔ نووی، یحیٰ بن شرف، تھزیب الأسماء واللغات، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۷۱۔ النیسابوری، حسن بن محمد، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1416ھ

اردو کتب:

۷۲۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، مترجم: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، دار التزکیر، رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور، اشاعت 2009ء

۷۳۔ ابن سلام، قاسم، کتاب الاموال، مترجم: عبدالرحمان طاہر سورتی، ادارۃ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
۷۴۔ ابویوسف، یعقوب بن ابرہیم، کتاب الخراج، مترجم مولانا نیاز احمد اوکاڑوی، مکتبہ رحمانیہ
۷۵۔ احمد سلیم، پاکستان اور اقلیتیں، مکتبہ دانیال، ۲۰۰۰ء
۷۶۔ ازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، ایڈیشن اول، 1418ھ
۷۷۔ اسرار احمد، خطباتِ خلافت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور
۷۸۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی ریاست، دار التذکیر، ۲۰۰۶ء
۷۹۔ اصلاحی، شرف الدین، استشراق اور اسلام، معارف دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۶
۸۰۔ آرنلڈ، تھامس، دعوت اسلام، مترجم نعیم اللہ ملک، نشریات
۸۱۔ البلاذری، احمد بن یحیی، فتوح البلدان، مترجم سید ابوالخیر مودودی، نفیس اکیڈمی اُردو بازار کراچی
۸۲۔ پرکاش پرساد، اوم، اورنگزیب ایک نیا زاویہ نظر، مترجم: فیضان رشید، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، دوسرا ایڈیشن، 1990ء
۸۳۔ جصاص، احمد بن علی، احکام القرآن، مترجم: مولانا عبدالقیوم، شریعہ اکیڈمی، 1999ء، اشاعت اول
۸۴۔ حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، مترجم: مولانا ابو یحیی امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، جون ۲۰۰۵ء
۸۵۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور
۸۶۔ سلامی، عبدالسلام، سماج کے رہنما، مکتبہ ارسلان، ۱۹۹۸ء
۸۷۔ سی ڈینٹ، ڈینیل، جزیہ اور اسلام، مترجم: مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۸۸۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، دار المصنفیت، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ ہند، 1999ء
۸۹۔ الصلابی، علی محمد، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے، مترجم: شمیم احمد خلیل، عبدالمعین بن عبدالوہاب مدنی، مکتبہ الفرقان
۹۰۔ قاسمی، عبدالحلیم، احسن الھدایۃ ترجمہ و شرح اُردو ہدایۃ، مکتبہ رحمانیہ
۹۱۔ القرضاوی، یوسف، اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق و فرائض، مترجم: قیصر شہزاد، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد
۹۲۔ کیلانی، عبدالرحمن، تیسیر القرآن، مکتبۃ السلام، وسن پورہ لاہور
۹۳۔ کاسانی، ابو بکر بن مسعود بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مترجم پروفیسر خان محمد چاولہ، شعبہ مطبوعات- دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، جون 1997ء، طبع دوم

۹۴۔ لیبان، تمدن ہند، مترجم: سید علی بلگرامی، الفیصل ناشران وتاجران کتب

۹۵۔ محمد اکرم، تکملہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع اول ۲۰۰۲، دانشگاہ پنجاب لاہور

۹۶۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، رسائل ومسائل (چہارم)، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ایڈیشن: ۳۱ ستمبر ۲۰۱۴ء

۹۷۔ ندیم، یہ دیس ہمارا ہے، ادارہ ہم آہنگ، ستمبر ۱۹۹۷ء، لاہور

انگریزی کتب:

98- Edward Wsaid, Orientalism, Routedge and Kegan Paul, London, 1978

99- K.Hitti, Philip, Islam a way of life, University of Minnesota Press, 1970

100- Khadduri, Majid, Law in the Middle East, The William byrd press, Ing. Richmond, Virginia

101- Tritton, Arthur Stanley, The capihs and their non-muslim subjects, Oxford University Press, London Bombay calcutta, madras ,1930